کائنات سے خالقِ کائنات تک

(وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل)

نام کتاب: کائنات سے خالق کائنات تک

تالیف: حافظ محمد جعفر

کمپوزنگ: سیف الرحمٰن خٹک، قاسم رضا

اشاعت:

قیمت:

نوٹ

اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں اطلاع دیں اور ہماری کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت رکھتی ہو تو ضرور ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ہم انشاءاللہ عزوجل فوراً رجوع کریں گے اور آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔

انتساب!

خود تکالیف اٹھا کر نسل انسانی کا فائدہ اور اسکی ہدایت و رہنمائی کے لئے آنے والے اللہ عزوجل کے برگزیدہ بندے انبیاء و رسل (علیہم السلام)

اور

اللہ کے محبوب نبی سید الاولین والآخرین جناب حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام جو سراپاء ہدایت و رحمت ہیں، جو اہل زمین کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برھان ہیں، جنہوں نے قرآن مجید جیسا زندہ وجاوید تا قیامت ابدی معجزہ دیا۔

﴿فہرست مضامین﴾

تحریر کا مقصد

انسان کو بہت عظیم مقصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات میں درج ذیل چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے یعنی: 'خالق'، 'روح'، 'مادہ'، 'دنیا' اور 'آخرت'۔ دنیا انسان کیلئے امتحان گاہ ہے جس میں اسے کچھ وقت گزارنے کیلئے بھیجا گیا ہے تاکہ آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کیلئے اسکی پرکھ ہو جائے۔ اس عظیم مقصد کی ناکامی کا باعث بننے والی سب سے بڑی چیز دنیا پرستی ہے۔ جسکا شکار ہو کر انسان **کائنات کو خالق پر، مادے کو روح پر اور دنیا کو آخرت** پر ترجیح دیتا ہے۔

انسان کو چونکہ بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے، اسی طرح مادے میں بھی بڑی منفعتیں اور کرشمے رکھے گئے ہیں اسلئے ہمیشہ سے ہی مادہ انسان کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اور موجودہ دور جو سائنسی ترقی کا نقطہ عروج ہے اس میں انسان نے ذرہ فانی میں نئی دنیائیں تلاش کر لی ہیں۔ اگرچہ ذرہ فانی خدا اور آخرت کے مقابلے میں انتہائی حقیر اور بے وقعت ہے، لیکن نگاہیں اسی پر مرکوز ہونے کی وجہ سے اسی میں اتھاہ گہرائیاں نظر آنے لگی ہیں۔ جب تک خالق پر پختہ یقین حاصل نہ ہوگا اسوقت تک مادہ پرستی سے نجات ممکن نہیں۔

یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بشمول مسلم و غیر مسلم پیدائشی طور پر اپنے گھر اور ماحول سے اللہ تعالیٰ کے نام کا تعارف تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اسکی ذات کے ہونے (Existance) کے یقین سے محروم رہتے ہیں اور اس بے یقینی کی سی صورت حال میں اس فانی زندگی کے شب و روز گزار کر اس جہان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

اس موضوع پر بہت سے لوگوں نے کام کیا ہے جن میں چند اہم نام جو ہماری نظر سے گزرے جیسے: **"امام محمد غزالیؒ، ترکی کے سکالر ہارون یحییٰ، شیخ احمد دیداتؒ، انڈین سکالر، ڈاکٹر ذاکر نائیک، علامہ وحیدالدین، کینیڈا سے اناٹومی کے ماہر ڈاکٹر کیتھ مور، یمن سے ڈاکٹر عبدالمجید عزیندانی اور انکے ساتھی، پاکستان سے پروفیسر احمد رفیق اختر اور سلطان بشیرالدین محمود"** وغیرہ۔

ہمارا مقصد اللہ جل جلالہ کی ذات پر یقین کے حوالے سے ایسے دلائل اور شواہد کو آسان اور عام فہم انداز اپناتے ہوئے اختصار سے بیان کرنا ہے تاکہ عام لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں اور جس کے مطالعہ سے اللہ جل جلالہ کی ذات پر یقین کامل حاصل ہو جائے اور شک کی گنجائش نہ رہے۔

یہ کتاب! مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے یکساں مفید ہے۔بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی تحریروں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو پہلے ہی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں،عرض ہے کہ اللہ پر یقین کی ہر ایک کو حاجت ہے، اسی لئے اللہ نے قرآن مجید میں اس کے بہت سے دلائل بیان فرمائے اور سب کو ان پر تفکر کی دعوت دی۔عوام تو درکنار انبیاء کرام نے ایسے دلائل و براہین کی خواہش کی چنانچہ جدالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب سے عرض کی۔

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ﴾(سورہ البقرہ :2،آیت:260)

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کردے گا؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں؟ جواب دیا کیوں نہیں لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی''

اس کے بعد 4 مردہ پرندوں کے ٹکڑوں کو زندہ کرنے کا معجزہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ظاہر فرمایا۔آج اگر مسلمانوں کو اللہ پر یقین ہوتا تو اللہ کی نافرمانیاں نہ کرتے،انکی زندگی صحیح رخ پر متعین ہوتی،کامیابیاں ان کا مقدر ہوتیں اور دنیا میں ان کا وقار مجروح نہ ہوتا۔

حقیقت سے ناآشنا رہنے کی بنیادی وجہ

روزمرہ افعال و اعمال کا دارومدار تین چیزوں پر ہے: (۱) علم (۲) مشاہدہ (۳) یقین

مثال کے طور پر: اگر آپ آگ سے بچتے ہیں اور سانپ سے ڈرتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ آگ جلاتی ہے اور سانپ ڈستا ہے، اس بات کا آپ کو مشاہدہ ہو چکا ہے،کئی لوگ آپ نے دیکھے یا سُنے ہوں گے جن کو ان دو چیزوں سے نقصان پہنچا۔یوں آپ کو اس بات کا کامل یقین ہو چکا ہے کہ یہ خطرناک چیزیں ہیں اس لئے آپ ان سے بچتے ہیں اگر کسی کے علم میں یہ بات نہیں۔تو وہ نہیں ڈرے گا جیسے بچے وغیرہ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ اکثریت کا تعلق اس کے نام سے واقفیت کی حد تک ہے۔ہمیں اس کا یقین حاصل نہیں۔اسی لئے ہم اس کے سامنے سرتسلیم خم نہیں کرتے،اسکی منشاء کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے،اسے اپنی ترجیح اول (Top Priority) نہیں بناتے۔

اللہ کی نشانیاں واضح ہوگئیں

اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل بھیجے۔ ہمارے پیارے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد چونکہ کسی نبی نے نہیں آنا تھا اس لیے ان پر نازل ہونے والی کتاب کو تا قیامت محفوظ رکھا گیا۔ اس کتاب میں اللہ جل جلالہ نے تا قیامت آنے والے لوگوں کی ہدایت کے لیۓ صداقت پر مبنی ایسی نشانیاں رکھیں جو وقت کے ساتھ منکشف ہو رہی ہیں اور یہ کتاب جدید سے جدید دور کی دریافتوں کے حقائق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ آج کے جدید سائنسی ترقی کے عروج کے دور میں ہونے والی بہت سی سائنسی دریافتوں سے قرآن مجید میں موجود صداقتیں واضح ہونے سے حق کی پہچان بہت آسان ہوگئی ہے اور اہلِ علم چیخ اٹھے ہیں کہ یہ کتاب حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آفاق عالم میں اپنی نشانیوں کے ظہور کے متعلق فرمایا:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حٰم السجدہ: 41، آیت: 53)

:''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم (آسمان اور زمین کی تمام چیزوں) میں بھی اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے کہ حق (اللہ ہی) ہے، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں؟''

کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھیں!

تمام نسلِ انسانی کو پرزور دعوت ہے کہ کم از کم ایک دفعہ اس تحریر کو ضرور پڑھئے، بہت بڑا خزانہ اور سعادت آپکے ہاتھ آئے گی۔ آپ یقیناً شکر کریں گے کہ موت سے پہلے آپ کے ہاتھ یہ تحریر لگ گئی۔ سچائی کو واضح طور پر بیان کرنے کی خاطر یہ تحریر قدرے طویل ہوگئی ہے۔ پھر بھی اسے مکمل پڑھنے کے لئے آپ کی زندگی کے بیش بہا وقت میں سے تقریباً چھ گھنٹے استعمال ہوں گے۔ یہ تحریر آپ کو انشاء اللہ یقین کامل کی منزل پر گامزن کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی رہنمائی فرمائے (آمین)۔

آئیں آفاق عالم میں موجود اللہ جل جلالہ کی عظیم نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کو اس کتاب میں ملاحظہ کریں تا کہ ہم پر حق و صداقت کی راہ کھل جائے۔

باب ا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين و على آله وصحبه و اهل طاعته اجمعين اما بعد!

انسان کا وجود خالق کی بہت بڑی نشانی

حضرتِ انسان جو اپنے بنانے والے اور خود اپنی ذات سے اکثر و بیشتر غافل ہی رہتا ہے، یہ خود اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کو اپنی نشانی قرار دیا ہے اور دعوت دی ہے کہ وہ اپنے بارے میں سوچے تاکہ اپنی ذات کے اندر بہت سی اللہ ﷻ کی نشانیوں کو دیکھ کر اپنی ذات کی پہچان سے اپنے خالق کو پہچاننے والا بن جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ، وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟'' (الذاریات: 51، آیت: 21-20)

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ، وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ **(الجاثیہ:45، آیت:4-3)**

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں اور جانداروں کی پیدائش میں، جنھیں وہ پھیلاتا ہے، یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

آئیں اللہ تعالیٰ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنی ذات پر غور وفکر کریں اور اللہ ﷻ کی نشانیوں کو اپنے اندر ڈھونڈیں تاکہ غیب کے پردوں میں چھپے عظیم خالق کی پہچان ہو سکے اور ہم اس کی منشاء کے رستے پر چل سکیں۔ مشہور قول ہے کہ ﴿مَنْ عَرَفَ نَفْسَه فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه﴾ ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔ چنانچہ ہم سب اپنے آپ پر سوچتے ہیں اور چند پہلوؤں پر غور وفکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ ہم کس طرح اللہ ﷻ کی نشانی ہیں۔

خالق کا وجود کائنات کی سب سے بڑی حقیقت

شعور حاصل ہونے کے بعد ایک عقلمند انسان کے ذہن میں پہلا بنیادی سوال یہی اٹھتا ہے کہ میرا اپنا وجود کہاں سے آیا ہے؟ انسان سادہ سے لے کر پیچیدہ ترین چیزیں بنا رہا ہے جن میں کسی حقیرسی شے کاغذ کے پرزے تک کے خود بخود بننے کو کوئی بھی عقل مند شخص تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن جب ہم اپنے جسم کو دیکھتے ہیں تو ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ اسے بننے کے لیے کسی خالق کی ضرورت نہیں تھی؟ یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ جس مادے سے ہمارا جسم بنا وہ پہلے سے ماں کے پیٹ میں موجود تھا اور وہ بغیر کسی عمل دخل اور ڈیزائن کے خود بخود بازوؤں، ہاتھوں، انگلیوں، گردن، ہڈیوں، آنکھوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پاؤں، ٹانگوں، جبڑوں وغیرہ میں تبدیل ہوکر انسان کی مطلوبہ شکل میں ظاہر ہو گیا ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے............؟ کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے..........؟ فرض کریں کسی ایک ماں کے پیٹ میں مادے نے اپنے آپ کو ہمارے جسم میں تبدیل کرلیا (جو کہ ناممکن ہے) تو باقی کروڑوں انسان جو دنیا میں آئے اور مسلسل آرہے ہیں ان سب کے خود بخود انسان بن کر دنیا میں آنے کی توجیہ کس قانون اور قاعدے سے کی جاسکتی ہے.....؟

ذرا سوچیں!

کسی گاڑی، موٹر سائیکل یا جہاز کے انجن وغیرہ پر غور کریں کہ اسے ڈیزائن کرنے والے نے تمام بنیادی و ضروری چیزوں کا کس طرح خیال رکھا ہے۔ کسقدر پیچیدہ پائپوں کا نظام بنایا ہے۔ آئل ڈالنے کا راستہ اور انجن تک پہنچنے کا نظام، جہاں جہاں جس چیز کے پہنچنے کی ضرورت ہے اسکی ترسیل کے راستے اور نظام، پھر

فالتو اور استعمال شدہ اشیاء کے اخراج کے نظام........ وغیرہ۔اب کوئی یہ کہے کہ یہ سارے نظام بغیر کسی کے ڈیزائن کئے اور بنائے خود بخود بن گئے ہیں تو کوئی عقلمند اسے تسلیم کرے گا.....................؟

تو پھر ذرا سوچئے اپنے وجود پر کہ: غذا چبانے اور معدے تک لے جانے کے پائپ اور نظام، معدے سے ضروری اجزاء کے خون میں شامل ہونے کا انتہائی پیچیدہ نظام، پاخانے کی صورت میں استعمال شدہ فالتو غذا کے اخراج کا نظام، خون سے زہریلے مادے علیحدہ کرنے کا گردوں کا نظام، پھر ان زہریلے مادوں کو پیشاب کی صورت میں اخراج کے پائپ اور نظام، تیز رفتاری اور دباؤ کے ساتھ صاف خون کی دل سے پورے جسم کو ترسیل کا انتہائی پیچیدہ نالیوں کا سسٹم، پھر گندے خون کی واپسی کا نظام، دماغ سے پیغامات ہر عزو تک پہنچانے کا برقی نظام................... کیا یہ سب کچھ کرنے کیلئے کسی ڈیزائنر کی ضرورت نہ تھی...............؟ کیا یہ سب کچھ خود بخود بن گیا ہے................؟ کیا انسان کے یہ نظام گاڑی کے انجن سے بھی گھٹیا ہیں کہ اسکے لئے کسی ڈیزائنر کی ضرورت نہیں...............؟ اگر کہا جائے کہ ضرورت نہیں تو اس سے بڑا کائنات کا جھوٹ کوئی نہ ہوگا۔

<u>ان حقائق سے چشم پوشی تو کی جاسکتی ہے لیکن ایک ذی شعور صاحب عقل انسان کے لیے ایک لامحدود طاقت کے حامل خالق کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔اللہ کے انکار سے پہلے اپنے وجود کی بھی نفی کر دینی چاہیۓ۔حیرت ہے انسان اپنے وجود کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن اپنے وجود کے خالق کو نہیں مانتا۔</u> اللہ پر کامل یقین لانے کے لیے مذکورہ وضاحت کافی ہے لیکن مذکورہ سوال کی کچھ تفصیل پیش کرتے ہیں تا کہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

نوٹ: (ا) اپنے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے ہم صرف چند بنیادی پہلوؤں کا انتہائی اختصار کے ساتھ صرف سطحی نوعیت کا مطالعہ کریں گے کیونکہ انسان کی تخلیق اتنی پیچیدہ (Complex) ہے کہ کسی ایک چیز کی گہرائی میں جانا شروع کیا جائے اور اس کی گرہیں کھولنا شروع کر دی جائیں تو یہ گہرائی مزید بڑھتی جاتی ہے، اتنی راہیں کھلتی ہیں جن کا احاطہ کرنا اور اُنہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (۲) وہ لوگ جو سائنس سے واقفیت نہیں رکھتے اگر کوئی چیز سمجھ نہ آئے تو اُسے چھوڑ کر آگے گزر جائیں اور پڑھیں ضرور، انشاء اللہ ان کے

لئے بہت سی ایسی چیزیں آئیں گی جو انہیں حقیقت اور یقین کی منزل تک لے جائیں گی۔

انسان کی تخلیق

تاریخی پس منظر:

۱۸ویں صدی تک زندہ اشیاء کی تخلیق کے متعلق چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر یقین رکھا جاتا تھا۔ڈارون نے اپنی کتاب(Origin of Species) میں نظریہ ارتقا پیش کیا جس کے مطابق ابتدا میں زندگی کی ابتداء خود بخود ہوگئی، بعدازاں ارتقائی عمل کے تحت ضرورت کے مطابق تبدیلیوں سے گزر کر مختلف انواع وجود میں آگئیں۔۱۹ویں صدی کی جدید ایجادات سے سائنسدانوں کا ان نظریات سے یقین اٹھ گیا، ۱۸۷۸ء میں کروموسومز کی دریافت، ۱۹۵۵ میں DNA ، جینز وغیرہ کی حیرت انگیز دریافتوں نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جانداروں سمیت انسان کی تخلیق سادہ نہیں بلکہ بہت پیچیدہ ہے، ان جینز پر انسان کی ساری تفصیلات، اسکی آنکھوں کا رنگ، سائز، انسان کی عمر، قد، رنگت سمیت تمام اعضا کی تفصیلی معلومات لکھی ہوتی ہیں، یہ معلومات اتنی زیادہ ہیں کہ دنیا جہان میں لکھی جانے والی تمام کتابوں کے اوراق بھر جائیں۔چنانچہ امریکہ میں ایک تحریک(Intellegent Design Movement) چلی جس کے نتیجے میں (Fact of creation) کا نظریہ آیا جسکی بنا پر سائنس دان یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ جانداروں کی تخلیق انتہائی پیچیدہ ہے جن کے خود بخود تخلیق ہونے کے بارے میں گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔یوں ڈارون کا موقف مزید کمزور ہوگیا۔اب ہم اپنی تخلیق کے چند اہم پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔

ہم سب انسان ایک بیج سے اُگے ہیں۔یہ بیج نر اور مادہ کے ملاپ سے مکمل ہوا ہے۔اس بیج میں مرد کی طرف سے سپرم (Sperm) اور عورت کی طرف سے انڈہ (Ovum) آپس میں رحم مادر کی نالی میں ضم ہوئے ہیں۔ سپرم اور انڈہ کے ملاپ سے بارآوری (Fertilization) کے عمل کے تحت جو بیج مکمل ہوا ہے اُس کا سائنسی نام زائیگوٹ (Zygote) ہے۔

انسانی بیج کی ساخت: مرد کے مادے میں کثیر تعداد میں بیج (سپرم) ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ کی حرکت تیز ہوتی ہے جنہیں (Active Sperm) کہتے ہیں کچھ کی حرکت سست (Sluggish) اور کچھ مردہ (Dead) ہوتے ہیں، قابل غور بات یہ ہے کہ اس رطوبت کے ایک ملی لیٹر یعنی ایک چھوٹے سے قطرے میں قریباً ایک کروڑ تیز رفتار (Active) بیج ہوتے ہیں۔ یہ سپرم (بیج) بنیادی طور پر تین حصوں: سر، گردن اور دُم پر مشتمل ہوتا ہے، جیسا کہ درج ذیل شکل میں سپرم اور مادہ میں پایا جانے والا بیج یعنی انڈہ (اووم) دکھایا گیا ہے۔
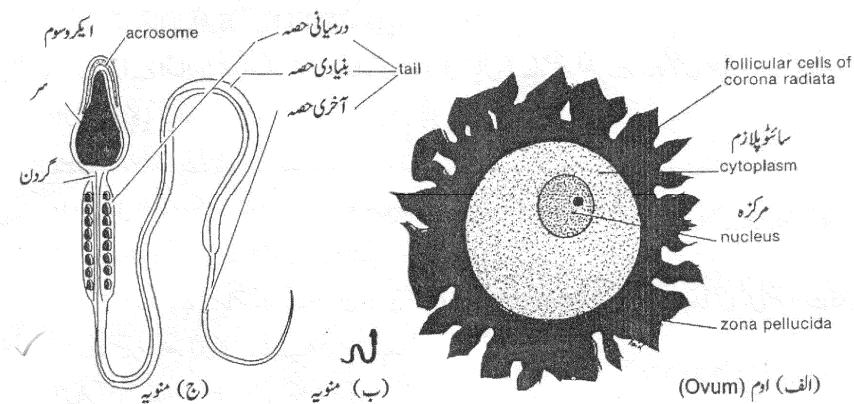
اس کے گردن والے حصے میں ایک طاقتور انجن ہوتا ہے جو اس کی دم کو تیزی سے ہلاتا ہے جس کی وجہ سے یہ حرکت کرتا ہوا رحم مادر میں پہنچتا ہے۔ اس کے سر میں 23 دھاگہ نما ساختیں کروموسومز ہوتے ہیں جن پر نئے بننے والے انسان کی خصوصیات کی تفصیل لکھی ہوتی ہے۔ جس طرح آج کل کمپیوٹر CD پر معلومات لکھی ہوتی ہیں۔ یہ سپرم جب مادہ کے انڈے کو تلاش کر لیتا ہے تو اس کے سر سے خول اتر تا ہے جس کے اندر سے فوراً مشین کے ورمے (Drill Machine) کی طرح کی ساختیں نکل کر مادہ کے انڈے میں سوراخ کرتی ہیں اور سپرم کا ضروری حصہ انڈے میں داخل ہو جاتا ہے۔ دُم کٹ کر علیحدہ ہو جاتی ہے۔ مادہ

کے انڈے میں 23 کروموسومز پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔

یوں سپرم اور انڈے کے ملاپ سے 46 کروموسومز بن جاتے ہیں۔اس طرح انسان کا بیج نمو کے قابل ہوجاتا ہے۔اس عمل کو بارآوری کہتے ہیں۔اس بیج میں مرد کے کروموسومز (xy) جبکہ عورت (xx) ہوتے ہیں۔ ملاپ کے دوران اگر مرد کا'x' اور عورت کا'x' آپس میں ملیں تو لڑکی (مادہ) پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مرد کا'y' اور عورت کا'x' ملیں تو (xy) لڑکا (نر) پیدا ہوگا۔قرآن مجید میں اس بیج کو ''نطفہ کے آمیزے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ابتداء میں یہ بیج اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ انسانی آنکھ کو چھوٹے سے نکتے کی طرح نظر آتا ہے جبکہ اس میں مکمل انسان کی تفصیلی معلومات (Fine Detailes) موجود ہوتی ہیں۔ انسان سے خارج ہونے والے کروڑوں سپرمز میں سے صرف ایک سپرم سے انسان بنتا ہے۔

قابل توجہ! ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ: کیا یہ سپرم خود بخود بن گیا ہے؟ کیا مرد اور عورت دونوں میں تیئس تیئس کروموسومز کا موجود ہونا محض اتفاق سے ممکن ہوگیا ہے؟ افسوس کہ ہم اتنی واضح نشانیوں سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔کیا اتنی با مقصد اور پیچیدہ تشکیل خود بخود ہو سکتی ہے؟ کیا سپرم کا خول خود بخود پھٹ پڑتا ہے اور اُس میں سوراخ کرنے والی ساختیں خود بخود بن گئی ہیں؟ کیا مادہ خود بخود اپنے آپ کو اتنی با مقصد (Well Designed) صورت میں تبدیل کر لیتا ہے؟

اگر آپ کا جواب ہاں (Yes) میں ہے تو پھر یہ چیلنج (Challenge) دیا جاتا ہے کہ تمام مخلوقات مل کر کسی فیکٹری یا مشین میں ایک سپرم بنائیں۔کیونکہ وہ چیز جو خود بخود بن گئی ہے وہ اتنی آسان ہوگی کہ اگر لوگ اُسے بنانا چاہیں تو آسانی سے بن جاتی ہوگی؟

اگر ہم ایسا نہ کر سکیں جو کہ یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں ضرور تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ کام کسی لامحدود طاقت والے نے کیا ہے۔جس کا نام اللہ رب العالمین ہے۔اُس نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا o اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۰۰۰﴾ (الدھر:76،آیت: 1-2)

ترجمہ: ''بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، کچھ شک نہیں کہ ہم نے اسے مخلوط (مرد و عورت کے) نطفے کے آمیزے سے پیدا کیا ہے۔۔۔۔۔''

تخلیق انسان کے مراحل

اپنے بارے میں یہ حقیقت جان لینے کے بعد کہ ہم مادے کی نہایت قلیل اور نا قابل قدر مقدار سے بنائے گئے ہیں۔اب ذرا اپنی تخلیق کے مختلف مراحل کے متعلق نہایت اختصار سے آگاہی حاصل کرتے ہیں تا کہ ہم اپنی حقیقت سے آگاہ ہوسکیں اور اپنے خالق کے ممنون ہوسکیں جس نے ہمیں نا قابل ذکر چیز سے وجود بخشا اور ایک ذرے سے پورا انسان بنا دیا۔انسانی بیج زائیگوٹ (Zygote) میں خلیوں کی تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے،ایک سے دو خلیے ،دو سے چار خلیے ،پھر چار سے آٹھ بن جاتے ہیں۔ملاپ کے تین دن بعد اس تقسیم کے ذریعے 12 سے 16 خلیوں کی ٹھوس سی گیند بن جاتی ہے جسے مرولا (Morula) کہتے ہیں جو کہ رحم کی نالی سے پھسلتے ہوئے رحم مادر (Uterus) میں داخل ہو جاتا ہے۔چوتھے دن مرولا تبدیلیوں سے گزرتے ہوئے نئی چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کا نام بلاسٹوسسٹ (Blastocyst) ہے جو کہ مختلف تبدیلیوں سے گزر کر رحم مادر میں اپنے رہنے کے لئے نہایت محفوظ اور موزوں جگہ تلاش کر کے رحم مادر کی دیوار کے ساتھ چپک جاتا ہے تا کہ وہاں پر اپنا مسکن بنا سکے اور رحم ماد کی دیوار سے اپنی خوراک حاصل کر سکے۔ بیضہ کی بارآوری سے مرولا کی تشکیل کے مراحل اور مرولا کا رحم مادر میں داخل ہونا درج ذیل شکل میں دکھایا گیا ہے۔غور کریں کہ آپ کیا تھے؟۔کس نے آپ کو انسان میں میں تبدیل کر دیا ہے؟۔
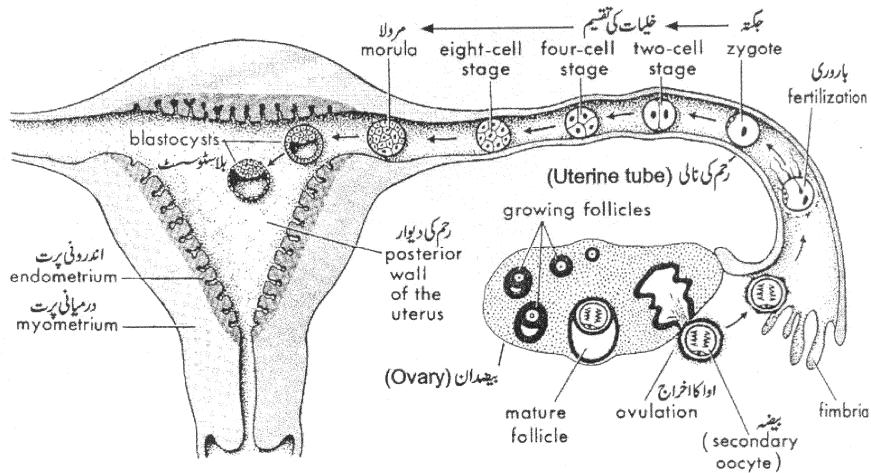
کچھ ہی دنوں بعد ہم رحم مادر میں نہایت محفوظ اور موزوں جگہ تلاش کر کے رحم مادر کی دیوار کے ساتھ چپک گئے ہیں جسے نیچے شکل میں دکھایا گیا ہے۔اے انسان تمھارے ساتھ اتنا بڑا کام کیا خود بخود ہو رہا ہے؟۔
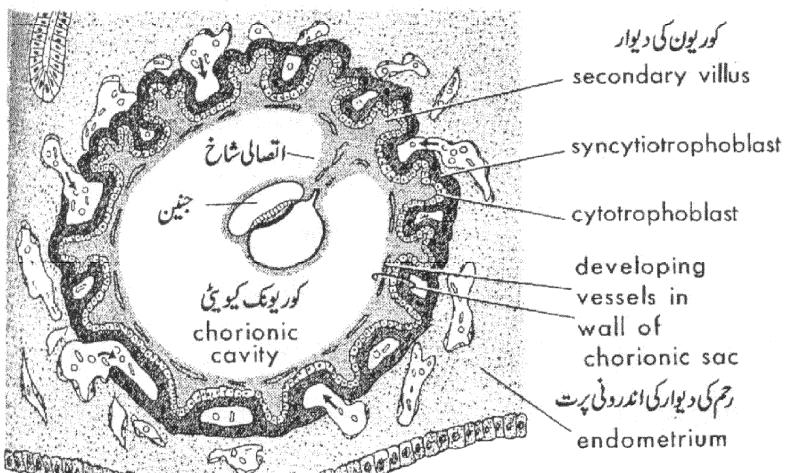
تقریباً 20 دن بعد ہم کسی حیوان نما حالت (جونک کی شکل) میں تبدیل ہو جاتے ہیں جس کے لئے قرآن مجید میں علقہ کی اصطلاح بیان ہوئی ہے ۔ تیسرے ہفتے کے بعد دماغ، دل عصبی ڈورے (Spinal

(Cards) اور نظام دوران خون کی ابتداء ہوجاتی ہے۔ اسطرح عموماً 23 ویں دن ہماری حالت کسی نرم چبائی چیز (دانتوں میں چبائی ہوئی چیونگم) کی طرح ہوجاتی ہے۔ اس حالت کو قرآن مجید میں مضغہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چوتھے ہفتے میں ہڈیاں بننے کا عمل ہونے لگتا ہے جسکی وجہ سے کھڑا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ اس مرحلے کو قرآنی اصطلاح میں عظام کہا گیا ہے۔

اس کے بعد عضلاتی (گوشت کی) پٹیاں مخصوص طریقے سے لپٹنے لگتی ہیں جس سے جینیاتی دورانیہ (Embryonic period) مکمل ہوجاتا ہے۔ ہمارے تخلیق کے مختلف مراحل کا تذکرہ ہمارے خالق نے یوں کیا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ، ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ (المومنون:23،آیت:14۔12)

ترجمہ: ''پھر نطفہ (قطرہ) کو ہم نے علقہ (جونک نما ساخت) بنایا، پھر علقہ کو مضغہ بنایا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کردیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ ﷻ کی، جو پیدا کرنے والوں میں سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے''

نوٹ: مذکورہ آیت پر غیر مذاہب کے اعتراضات کا جائزہ کتاب کے آخر پر پیش کردیا گیا ہے۔

ہماری تخلیق کو دو بنیادی ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ جینیاتی دورانیہ (Embryonic Period): یہ دورانیہ پانچ یا چھ ہفتوں میں مکمل ہوتا ہے۔ اس میں سوائے تولیدی اعضاء کے باقی اہم اعضاء کی نمو ہوجاتی ہے۔

2۔ فیٹل دورانیہ (Foetal Period)

یہ دورانیہ 9 ویں ہفتہ سے شروع ہوتا ہے اور انسان کی جس عمارت کی بنیاد جینیاتی دورانیہ

میں رکھی گئی تھی ۔اس عرصہ میں اس کی تکمیل شروع ہوتی ہے۔انقلابی تبدیلیوں کے ذریعے انسان کا تشخص اجاگر ہوجاتا ہے۔ دیکھنے، سننے، محسوس کرنے، ذائقہ چکھنے اور عقل وشعور کی قوتیں مل جاتی ہیں اور 9 ماہ میں ہمارا جسم ذرے سے آفتاب بن کر عالم دنیا میں آجاتا ہے۔یوں ایک ناچیز اور حقیر قطرہ ایک نئی صورت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔اس آخری مرحلے کو قرآن مجید میں ''انشاہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہم کیا تھے!

ماں کے پیٹ میں 20 دن بعد ہماری جسامت صرف 3 ملی میٹر تھی، پھر 30 دن بعد ہماری لمبائی 7 ملی میٹر ہوگئی، 40 دن بعد ہم 11 ملی میٹر کے تھے، 50 دن بعد 22 ملی میٹر کے ہوگئے، 60 دن بعد 50 ملی میٹر کے۔پھر 5 ماہ بعد اللہ ﷻ نے ہمیں 19 سنٹی میٹر کا کردیا اور بالآخر 9 ماہ بعد ہم 36 سنٹی میٹر کی جسامت لے کر عالم دنیا میں آگئے۔وہ جس نے ہمیں ذرے سے پورا انسان بنایا اسے بھول جانا کیا عقلمندی ہے؟

(ب) 36 دن کا جنین (جانبی منظر)

(الف) 32 دن کا جنین (جانبی منظر)

(ج) 41 دن کا جنین (جانبی منظر)
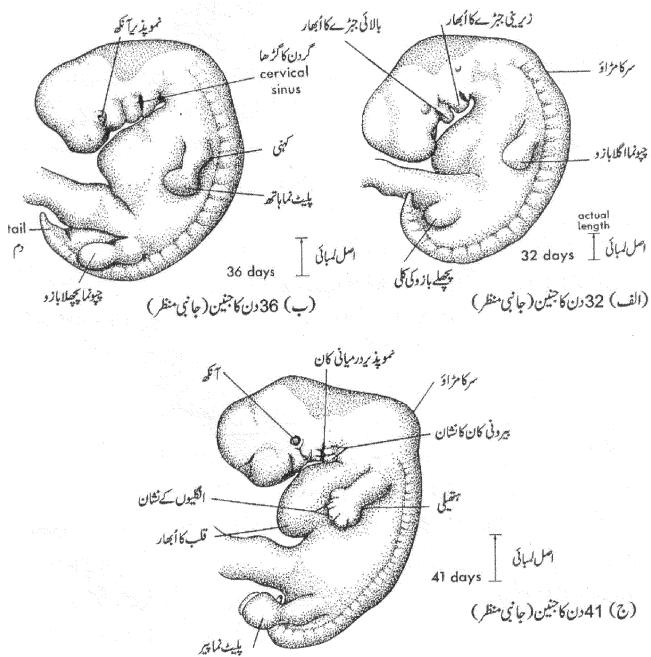
بطور عبرت ۳۲ دن، ۳۶ دن اور ۴۱ دن بعد جینیاتی مراحل میں ہماری حالت کو پچھلے صفحے پر موجود شکل میں دکھایا گیا ہے جس میں اگلے بازو، پچھلی ٹانگیں اور سینہ نمایاں ہو رہے ہیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھنے کی بدولت کھڑا پن پیدا ہو گیا ہے۔ مشاہدہ کریں اور عبرت کے ساتھ اپنے رب پر ایمان لے آئیں جس نے آپ کو ان حالتوں میں سے گزار کر مکمل انسان بنا دیا۔ کیا ان حقائق کو جھٹلانا ممکن ہے؟۔

اپنے آپ پر غور وفکر

اس حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے بعد کہ ہم ایسے بیج سے بنے ہیں جو اتنا چھوٹا ہے کہ ہماری آنکھ اُسے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ آئیں کچھ وقت نکال کر ہم تھوڑا سا اپنے جسم پر غور وفکر کریں، شاید کہ ہم کسی اہم حقیقت تک پہنچ جائیں۔ اگر تفصیل میں جایا جائے تو کسی ایک عضو کے بیان کے لئے پوری کتاب تحریر ہو جائے، اس لئے نہایت ہی اختصار کے ساتھ اپنے مختلف اعضاء کو سامنے رکھتے ہوئے چند بنیادی پہلوؤں کے بیان سے ہم اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

دماغ (Brain)

ہمارا دماغ جو ہمارے پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے اس کی ساخت بہت پیچیدہ ہے، دماغ میں خلیوں (Brain Cells) کی تعداد قریباً 10 ارب ہے جو کہ تاروں کے مربوط نظام سے آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔ ان جوڑوں (Node Connections) کی تعداد تقریباً 1000 ارب کے برابر ہے۔ ایک ارب اتنا بڑا ہے کہ اگر آپ گنتی (Counting) کریں تو قریباً 30 سال میں ایک ارب کی تعداد پوری ہو۔ ہارون، یحیٰ صاحب نے اسے مثال کے ذریعے یوں سمجھایا ہے کہ اگر انگلینڈ جتنے بڑے 30 ملک ہوں اور اس سارے رقبے پر گھنے درخت لگا دیئے جائیں اور ہر درخت پر 10,000 پتے ہوں تو کل پتوں کی تعداد ہمارے دماغ کے جوڑوں (Node Cells) کے برابر ہو گی۔ ہمارے دماغ سے برقی تاریں (Nerve Cells) نکل کر پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جن پر پیغامات (Message) آتے جاتے ہیں تاکہ دماغ کا پورے جسم سے رابطہ برقرار رہ سکے۔ ان تاروں پر چلنے والے پیغامات کی تعداد ایک سیکنڈ

میں ہزاروں میں ہے۔آپ کے دماغ میں ہر وقت ہزاروں حسابی عوامل (Calculations) ہور ہے ہیں اور بہت پیچیدہ حسابی مساواتیں(Coupled differential equations) حل ہورہی ہیں۔ابھی آپ اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں تو سمجھنے کے عمل کا تجزیہ (Analysis) دماغ میں ہورہا ہے، اسی طرح دیکھنے، سننے، سانس لینے، درجہ حرارت محسوس کرنے، ہوا کے محسوس کرنے، سونگھنے، آنکھیں جھپکنے (Eye blinking)، دل کی حرکت (Heart beating)، خون کی گردش، جگر کا کام کرنا، معدہ کا کام کرنا، غرضیکہ کہ جتنے بھی نظام ہیں ان سب سے ہر وقت مسلسل دماغ کا رابطہ ہے۔ ہمارے ناخن مسلسل بڑھ رہے ہیں، بال بڑھ رہے ہیں، جسم کی نشو ونما وقت کے ساتھ جسم میں تبدیلی ان سب عوامل کو دماغ کنٹرول کررہاہے، ہمارے جسم کا توازن، پیشاب و پاخانے کا کنٹرول وغیرہ بھی اسی کے ذمے ہے۔

غورفرمائیں:

اگر ہمارے دماغ میں خرابی پیدا ہو جائے، ہمارا پیشاب قابو نہ رہ سکے، آنکھیں صحیح سلامت ہوتے ہوئے بھی ہم دیکھ نہ سکیں۔ ہماری یاداشت ختم ہوجائے، اگر توازن کو دماغ کنٹرول نہ کرے تو چند سیکنڈ بعد ہم کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں فوراًوہیں گر جائیں۔ان عوامل کو کنٹرول کرنے کے لئے ہمارے دماغ میں جو حسابی مساواتیں حل ہورہی ہیں، کسی ایک عمل (Process) کے فارمولے اور مساواتیں لکھی جائیں تو کئی اوراق(Pages) بھر جائیں۔حل کے دوران کسی ایک جگہ غلطی ہوجائے تو پورا عمل غلط ہوجائے مثلاً توازن کے عمل میں غلطی ہو تو ہم فوراً گر جائیں۔دماغ اور جسم کے درمیان دوطرفہ رابطہ (Two way traffic) ہے۔دماغ کا اعضاء سے اوراعضاء کا دماغ سے۔

جو کام دماغ کررہا ہے، دنیا کا جدید ترین سپر کمپیوٹر(Super Computer) بھی نہیں کرسکتا۔انسان نے کئی سالوں کی محنت سے انسانی ربوٹ(Robote) بنایا ہے جو چل سکے وہ بھی صرف مخصوص راستہ پر چلتا ہے۔اورا کثر گر بھی جاتا ہے جبکہ انسان جس طرف چاہے جائے، دائیں مڑے، بائیں جائے، آگے جائے، پیچھے مڑے۔کتنی آسانی سے ہر قسم کی حرکت کرسکتا ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے

کہ دماغ کی یہ تمام صلاحیتیں گوشت میں رکھی گئی ہیں۔ وہ تمام جدید آلات جو جدید روبوٹ اور سپر کمپیوٹرز میں استعمال ہوتے ہیں ان سے کہیں جدید آلات گوشت میں رکھ دیئے گئے ہیں اور تھوڑا سا گوشت اتنے حیرت انگیز کام سرانجام دے رہا ہے۔

آپ سے سوال! کیا یہ دماغ بغیر کسی کے بنائے خود بخود بن گیا ہے؟ کیا اتنے کام یہ خود بخود کر رہا ہے؟ کیا اسے بنانے، چلانے اور کنٹرول کرنے والا کوئی نہ ہوگا؟ سوچیں!!

دل (Heart):

دل ہمارے جسم میں دھڑکنے والا گوشت کا ایسا لوتھڑا ہے جو مسلسل دھڑکے جا رہا ہے۔ ہم سو رہے ہوں، جاگ رہے ہوں، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، چل رہے ہوں، یا دوڑ رہے ہوں یہ مسلسل اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ کبھی ہم نے سوچا کہ یہ ایک منٹ میں 70 سے 100 مرتبہ دھڑکتا ہے۔ ایک دن میں تقریباً ایک لاکھ مرتبہ دھڑکتا ہے۔ پوری زندگی (70 سال) میں تقریباً 2.5 ارب دفعہ دھڑکتا ہے۔

یہ خالی دھڑکتا ہی نہیں بلکہ اپنی حرکت کے دوران نہایت اہم کام سرانجام دے رہا ہے، اس میں دو قسم کے خون صاف اور گندے کی سپلائی کا نظام ہے۔ یہ پمپ کی طرح کام کرتے ہوئے صاف خون پورے جسم کو پریشر سے پہنچاتا اور جسم میں استعمال شدہ خون کو واپس لیتا ہے اور اُسے صاف کر کے آکسیجن کی آمیزش سے دوبارہ پورے جسم کے ہر خلیہ تک پہنچاتا ہے۔ دونوں قسم کے خون دل کے اندر ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ضرورت کے مطابق دل کے تمام والوز (Valves) کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ جسم میں خون کی گردش کا نام زندگی ہے، یہ دل نہ تھکتا ہے، نہ تھمتا ہے، نہ آرام کرتا ہے، اگر یہ حرکت نہ کرے، تو کچھ ہی لمحوں میں انسان مر جائے۔

سوچنے کی بات! کیا اس دل کو کسی نے ڈیزائن (Design) نہ کیا ہوگا؟ کیا گوشت خود بخود دل کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہوگا؟ کیا یہ مسلسل خود بخود چل رہا ہے؟ اس نازک چیز کو بڑی حفاظت سے سینے کی مضبوط ہڈیوں کے جال کے اندر رکھا گیا ہے کیونکہ اس پر زندگی کا انحصار ہے۔ اسے ایسی جگہ رکھا گیا ہے جہاں اس

کی مکمل حفاظت ہو سکے۔ انسان چاہے دوڑے، لیٹے، گرے، اسے کوئی چوٹ آئے، ان حادثات کا اثر آسانی سے دِل تک نہیں پہنچتا۔ کیا اسے اتنی محفوظ جگہ رکھنے کی کسی نے منصوبہ بندی نہ کی ہوگی؟ کیا انسان کا اپنا اس میں کوئی عمل دخل ہے؟ یقیناً نہیں، اسے اللہ رب العزت نے بنایا ہے اور انتہائی محفوظ جگہ بسایا ہے اور اسے مسلسل چلا رہا ہے، تاکہ ہم زندہ رہ سکیں لیکن انسان اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾

ترجمہ: ''فرما دیجئے کہ وہی (اللہ تو) ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان آنکھیں اور دل بنائے، (اسکے باوجود بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو'' (سورہ الملک:67 :آیت:23)

بال(Hairs):

اللہ تعالیٰ نے چہرے کی خوبصورتی اور دماغ کی حفاظت کے لئے بال عطا فرمائے۔ گوشت سے باریک دھاگوں کی مانند گھاس جیسے بالوں کا نکلنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے۔ وہ اللہ جل جلالہ ہے جس نے گوشت کو بالوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ چہرے پر موجود ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال تو بڑھتے ہیں لیکن پلکوں، بھوؤں اور جسم کے بال خاص مقدار کے بعد روک دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ یہ بال بھی اسی گوشت سے نکل رہے ہیں جس سے ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال اُگتے ہیں۔ اگر پلکوں اور بھوؤں کے بال بھی مسلسل بڑھتے رہتے تو دیکھنے میں خاصی دشواری آتی اور نازک آنکھ بہت زیادہ متاثر ہوتی بلکہ زخمی ہوتی رہتی اور ہمیں ہر وقت انہیں کاٹنے کی فکر پڑی رہتی۔ کیا ان بالوں نے خود فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم نہیں بڑھیں گے جبکہ ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بڑھتے رہیں گے۔ اسی طرح عورت کا چہرہ بھی گوشت سے بنا ہے لیکن اس کی ٹھوڑی اور مونچھوں پر بال نہیں۔ مذکورہ حقیقت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ ان تمام امور کو کسی نے ضرورت کی بناء پر جیسے چاہا ڈیزائن کیا اور اُسی کے حکم کے تابع یہ بال پرورش پا رہے ہیں۔

دانت(Teeth):

ہمارے دانت ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ گوشت سے نکالے گئے ہیں دانتوں کا سفید رنگ چہرے کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا۔ سفید کے علاوہ کوئی اور رنگ جیسے سرخ یا سیاہ ہوتا تو انسان سے ڈر لگتا۔ دانتوں میں اللہ تعالیٰ کی بہت نشانیاں ہیں۔ دانتوں کا جڑوں سے نکل کر بڑھنا پھر ایک خاص لمبائی پر آ کر رک جانا، اللہ ﷻ کی نشانی ہے۔ اگر یہ بڑھتے ہی رہتے تو ہماری زندگی عذاب بن جاتی۔ کیا ان کو ہم نے روکا ہے؟ پھر ان کی ساخت پر غور کریں، کسی بھی چیز کو کھانے کے لئے پہلے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سامنے والے دانت تیز اور نوکیلے بنائے تا کہ ہم خوراک کو آسانی سے کاٹ سکیں اور پچھلے دانت چوڑے بنائے تا کہ خوراک کو پیسا جا سکے۔ کیا یہ سب کچھ ہم نے اپنی مرضی سے کیا ہے؟ ہرگز نہیں اللہ ﷻ تک پہنچنے کے لئے تو ہمارے دانت ہی کافی ہیں جو زبان حال سے اپنے خالق کی صنعت گری کا اعلان کر رہے ہیں۔ کاش ہم ان دانتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خالق کو بھی یاد رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں۔

کیا منہ کا گوشت خود بخود دانتوں میں تبدیل ہو گیا ہے؟ دانتوں کے مادے (Material) پر غور کریں: اگر یہ نرم ہوتا تو غذا کو چبا نہ سکتا اور لوہے کی طرح سخت ہوتا تو ہماری زبان کو کاٹ دیتا۔ خالق نے ایسے مادے کا انتخاب کیا ہے جو مذکورہ کام کے لئے موزوں ترین تھا۔ عقل والوں کے لئے دانتوں میں قدرت کی بالکل واضح نشانیاں ہیں۔

زبان(Tongue):

زبان بہت ہی کامل نظام کا ایک حصہ ہے۔ جسے بہت مہارت سے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ یہ ایسے گوشت سے بنائی گئی ہے جس میں ذائقہ (Taste) کی صلاحیت ہے۔ بولنے کے دوران اور کھانا کھاتے ہوئے یہ خود بخود (Automatically) بڑی تیزی سے تیز اور مضبوط دانتوں کے درمیان چلتی ہے لیکن دانتوں کے نیچے نہیں آتی۔ ضرورت کے مطابق غذا پر پانی (لعاب) چھڑکتی ہے تا کہ کھانا حلق میں نہ پھنس

جائے اور کھانے کو دانتوں پر اِدھر اُدھر حرکت دیتی ہے تا کہ لقمہ پیسا جا سکے۔ اسے ضرورت کے مطابق ایسے مادے (Material) سے بنایا گیا ہے جو نرم اور لچکدار ہونے کے باوجود اتنی آسانی سے زخمی نہیں ہوتا۔ کیا یہ قدرت کی کاریگری کی بہت بڑی دلیل نہیں؟ اگر ہمیں خود اسے دانتوں سے بچانا پڑے تو شاید ہمارے لئے ایک لقمہ کھانا بھی مشکل ہو جائے۔ کیا گفتگو کرتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے کبھی ہم نے اللہ عزوجل کی اس نعمت کے بارے میں سوچا؟

سانس لینا (Breathing):

سانس لینے کے نظام میں اللہ کی بہت بڑی اور واضح نشانیاں موجود ہیں۔ ہم زندہ رہنے میں سب سے زیادہ محتاج سانس اور ہوا کے ہیں۔ ہوا ایسی ضروری چیز ہے جس کی ترسیل اگر رک جائے تو ہمیں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ اگر ایک منٹ ہمارا سانس بند رہے یعنی ہوا اندر نہ جائے تو ہم توازن کھو بیٹھتے ہیں، دو سے تین منٹ کے بعد دماغ مردہ (Dead) ہو جاتا ہے اور اسکے کچھ ہی سیکنڈ بعد ہم مر جاتے ہیں۔

سانس کی نالی: سانس کی نالی قدرت کی ایسی واضح نشانی ہے جو شک کا مکمل خاتمہ کرتے ہوئے فوراً اہل بصیرت کو رب تک پہنچا دیتی ہے۔ چونکہ ہماری زندگی کے لئے ہوا کی مسلسل فراہمی انتہائی ناگزیر ہے، اس لئے یہ نالی اتنی سخت ہونی چاہیے تھی تا کہ اس کی دیواریں باہم مل کر ہوا کے رستے کو بند نہ کر سکیں۔ اس بنیادی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے اگر اسے لوہے کی طرح سخت مادے (Material) سے بنایا جاتا تو ہماری گردن سیدھی اکڑی رہتی ہم اسے دائیں بائیں، اوپر نیچے موڑ نہ سکتے اور اگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نرم بنایا جاتا تو گردن موڑتے ہوئے یہ نالی بند ہو جاتی۔

یوں ہماری زندگی تمام ہو جاتی۔ قربان جائیں اللہ تعالیٰ کی بہترین صنعت گری پر جس نے اس نالی کو بہت مہارت سے اس طرح ڈیزائن کیا کہ مذکورہ دونوں ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ لچکدار کری ہڈی کے قطعات کو گوشت سے جوڑا تا کہ گردن کی حرکت بھی آسانی سے ہو سکے اور مادہ ایسا استعمال کیا جو لچک کی وجہ سے بند بھی ہو تو فوراً خود بخود کھل جائے۔

محترم ساتھیو! اتنی واضح نشانی دیکھنے کے بعد بھی کیا اللہ تبارک وتعالیٰ پر شک کی گنجائش باقی ہے؟ کیا اس سانس کی نالی کو بنانے میں انسان کا کوئی عمل دخل ہے؟ یہ سانس جو خود بخود آ رہے ہیں، اگر ہمیں خود سانس لینا پڑ جائے تو شاید ہم ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں۔ کیا ہمیں اللہ ﷻ کا فرمانبردار اور شکر گزار نہیں ہونا چاہیے جس نے ہمیں یہ نعمتیں عطا کیں؟

ایک اور نشانی گلے کے سوراخ پر موجود ڈھکن (ایپی گلاٹس) ہے۔ جب کھانے کا لقمہ نیچے جاتا ہے تو یہ فوراً سانس کی نالی کو بند کر دیتا ہے تا کہ لقمہ سانس کی نالی میں نہ گر جائے، جونہی لقمہ اس کے اوپر سے پھسلتا (Slip) ہوا معدے کی طرف جاتا ہے تو یہ فوراً کھل جاتا ہے تا کہ سانس لیا جا سکے۔ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا، بعض اوقات کھانے کے ذرات سانس کی نالی میں چلے جائیں تو سانس لینا کتنا دشوار ہو جاتا ہے، آنکھوں سے پانی نکل آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے موت واقع ہو جائے گی، سوچیں اگر پورا لقمہ سانس کی نالی میں گر جائے تو کیا ہوگا؟

کیا اس سوراخ کے ڈھکنے کو ہم خود اپنی مرضی سے کھولتے اور بند کرتے ہیں یا کوئی اور اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ کیا یہ کام ہمیں خود کرنا پڑ جائے تو ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ اگر ہم اسے اپنی مرضی سے کھولنے اور بند کرنے پر قادر نہیں تو اسے بنانے پر کیسے قادر ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم نے ہوا اور سانس کی اس عظیم نعمت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خالق کے متعلق کبھی سوچا؟ آئیں اس رب پر ایمان لائیں اسکے فرمانبردار بن جائیں اور اس کا شکر ادا کریں۔ جس نے ان نعمتوں کو تخلیق کیا اور آپ کو وجود بخشا۔

پھیپھڑے(Lungs):

یہ وہ مقام ہے جہاں آکسیجن خون میں شامل ہوتی ہے۔ ہمارے جسم میں اربوں خلیے (Cells) ہیں اور ہر خلیے کو آکسیجن (O) کی ضرورت ہے۔ ہم روزانہ ۲۳۰۰۰ دفعہ سانس اندر اور اتنی دفعہ باہر نکالتے ہیں اور یہ کام سوتے جاگتے خود بخود ہو رہا ہے۔ ضرورت کے تحت پھیپھڑوں میں قریباً 3.6 ارب ہوا کی تھیلیاں بنائیں جن کو اگر ہموار سطح پر بچھا یا جائے تو ان کا رقبہ (Area) ٹینس کورٹ (Tennis

(Court) کے سائز کے برابر بنتا ہے۔ اگر پھیپھڑوں کی ساخت مذکورہ طریقہ سے نہ بنائی جاتی تو ہوا سے آکسیجن خون میں شامل نہ ہوسکتی اور ہمارا زندہ رہنا ممکن نہ رہتا۔

کیا ہمارے جسم کا گوشت خود بخود پھیپھڑوں میں موجود ہوا کی تھیلیوں میں تبدیل ہوگیا ہے؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر ایمان لائیں اور جھک جائیں اس پروردگار کے سامنے جس نے آپ کے پھیپھڑوں کو ڈیزائن کیا اور آپ کا زندہ رہنا ممکن ہوا۔

آواز (Sound):

آواز پیدا کرنے کے لئے ارتعاش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت سے اچھے معیار (Good Quality) کی آواز پیدا کی جس کی بدولت ہم ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں ۔مرد اور عورت کی آواز میں فرق رکھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔

سننا (Hearing):

آواز کے سننے کے لئے کان بنائے۔ کانوں کو خاص صورت دی تا کہ آواز کی لہریں کان سے ٹکرا کر ادھر ادھر منتشر ہونے کی بجائے کان کی طرف جائیں۔ آواز سننے کے لئے کان میں پردہ بنایا جس سے لہریں ٹکرا کر ارتعاش پیدا کرتی ہیں۔ یہ ارتعاش دماغ میں عمل پذیر (Process) ہونے کے بعد آواز کی سماعت کا ذریعہ بنتا ہے۔ فضا میں ہر فریکوینسی موجود ہے، ہمارے کان صرف اس آواز کو سن سکتے ہیں جس کی فریکوینسی KHz (20-20000) میں ہو۔ اگر ہمارے کان بہت زیادہ حساس ہوتے اور باقی فریکوینسی کو بھی سن سکتے تو ہمارا زندہ رہنا مشکل ہوجاتا۔ ہم اپنے جسم کے اندر کے اعضاء دل وغیرہ اور فضا میں موجود لاکھوں آوازیں ہر وقت سن رہے ہوتے تو ہمارا جینا محال ہوجاتا۔ کانوں کی ساخت ایسی ہے کہ پانی میں نہانے سے بھی پانی کان کے اندر آسانی سے داخل نہیں ہوسکتا۔ کیا ہمارے جسم کا گوشت خود بخود کانوں میں تبدیل ہوسکتا تھا؟ اگر ہم سوچتے تو اپنے بنانے والے کے مطیع وفرمانبردار ہوجاتے۔

چہرے کی تصویر کشی:

ماں کے پیٹ میں دوران پرورش گوشت مختلف اعضاء میں تبدیل ہورہا ہے، دماغ، دل، گردے، جگر، آنتیں وغیرہ بن رہی ہیں۔ پانچویں سے نویں ہفتے کے درمیان گوشت کے ابھاروں نے انسان کے خوبصورت چہرے کی صورت ڈھال لی ہے۔ اللہ ﷻ نے بے مثال حکمت کو چہرے میں سموتے ہوئے ایسے نقوش کی مصوری کی ہے جس کی کسی اور مخلوق میں مثال نہیں ملتی۔ چہرے کی خوبصورتی اور ہر انسان کا چہرہ ایک دوسرے سے مختلف ہونا اللہ کی کاریگری کی بہت بڑی نشانی ہے۔
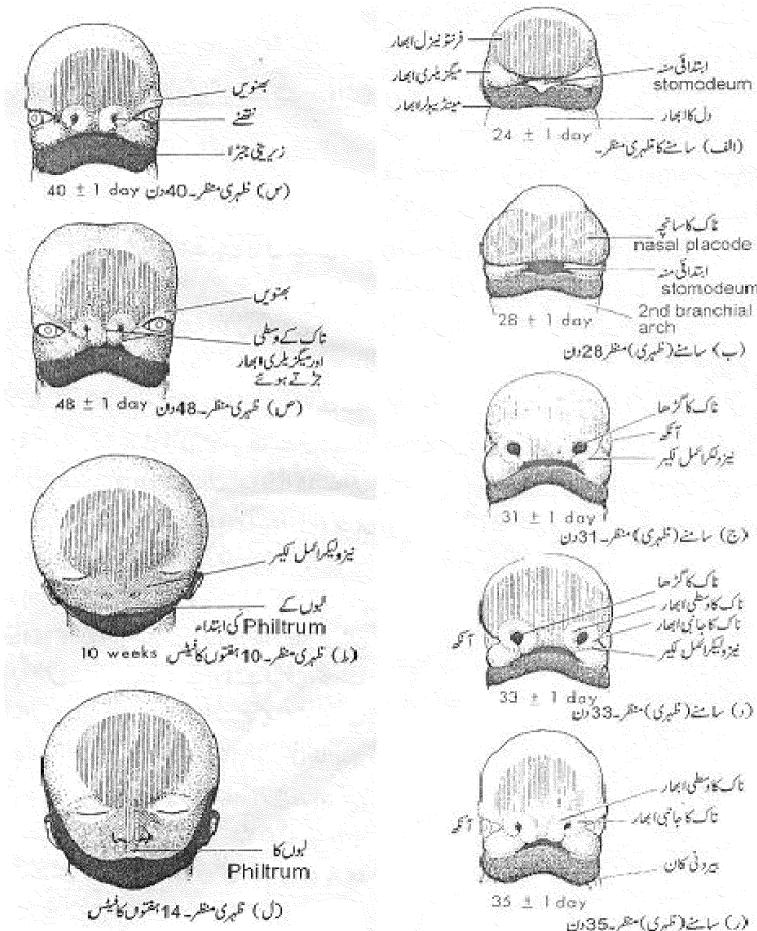
ہرانسان کے چہرے پر ملتی جلتی دو آنکھیں، دو کان، دو ہونٹ، ٹھوڑی اور ماتھا ہے لیکن اربوں انسانوں میں کوئی بھی دو انسان مکمل طور پر ایک جیسے نہیں ہوتے، کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔ یہی چہرہ ہماری آپس میں شناخت کا باعث بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے چہرے کی بہترین بناوٹ کا ذکر فرمایا: ارشاد ہوا:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ o﴾ (التغابن: 64، آیت۔3)

ترجمہ: ''تخلیق کیا ہے اس نے آسمانوں اور زمین کو حق (مقصد) کے ساتھ، اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے''

اے انسان پچھلے صفحے پر موجود شکلوں میں غور کر کہ تیرا چہرہ کن مختلف تبدیلیوں سے گزر کر واضح ہوتا ہے۔ کیا اتنا بڑا کام بغیر کسی کے کئے خود بخود ہو سکتا ہے؟

آنکھیں (Eyes):

ہم اپنی آنکھوں کو روزانہ تقریباً ۱۲۰۰۰ دفعہ جھپکتے ہیں۔ آنکھوں کی تفصیل میں جانے کی بجائے اپنے آپ سے صرف یہی سوال کر لیں کہ کیا انسانی گوشت کے اندر اتنی پیچیدہ چیز جو عام گوشت سے بالکل مختلف ہو، جس میں شیشے کی طرح کا عدسہ ہو، جس کی پُتلیاں خود بخود کھلتی اور بند ہوتی ہوں، پتلیوں کی حرکت کے لئے خاص قسم کے مائع کا اخراج ہوتا کہ پتلیاں رگڑ سے بچ سکیں، اگر یہ مائع زیادہ مقدار میں خارج ہو تو آنکھ سے ہر وقت پانی بہتا رہے اور ہمیں ہر وقت اسے صاف کرنا پڑے اور اگر ضرورت سے کم مقدار میں خارج ہو تو آپ کی آنکھ کی پتلیاں حرکت نہ کر سکیں اور آنکھ اکڑ جائے۔ پھر آنکھوں کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انہیں محفوظ جگہ ہڈی کے گڑھوں میں رکھا تا کہ چوٹ کی صورت میں ضائع ہونے سے بچ سکیں۔

کیا ان عوامل کو آپ خود کنٹرول کر رہے ہیں؟ آنکھ کی پتلیوں کو اگر آپ کو خود حرکت دینا پڑے تو آپ کا کیا حال ہوگا؟ اگر ہم ان چیزوں پر خود سے قادر نہیں تو یہ گمان کیسے کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا

ہے۔اگر ہمیں اللہ ﷻ پر یقین ہوتا تو ہم اس کی نعمتوں کی قدر کرتے اور ضرور اسکی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرتے۔

عینک ایک واضح نشانی!

اگر غور کیا جائے تو عینک اللہ تعالیٰ کی ایسی واضح نشانی ہے جو اللہ کے وجود پر نا قابل تردید دلیل ہے۔قریب یا دور کی نظر کیلئے الگ الگ مختلف نمبر کے شیشے(Glasses) لگائے جاتے ہیں۔جنہیں مشینوں میں خاص طریقے سے تیار کیا جاتا ہے۔اگر کوئی کہے کہ ان مختلف نمبرز کے عدسے(Glasses) بغیر مشینوں میں بنائے خود بخود بنتے جا رہے ہیں......؟ تو کیا کوئی یقین کرے گا؟ ہرگز نہیں،لوگ کہیں گے یہ کیسے ہوسکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔اب اگر یہی سوال اس عدسے(Lense) کے متعلق کیا جائے جو پہلے سے آپکی آنکھ میں موجود ہے، جو ان مصنوعی عدسوں سے کئی گنا بہتر ہے، جو قریب اور دور کی نظر دونوں کیلئے سکڑنے اور پھیلنے سے کام کرتا ہے.......؟ تو یہاں ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں، ہم کہتے ہیں یہ خود بخود بن گیا ہے۔افسوس ہے انسان کے فیصلے پر، ایک مصنوعی کمتر چیز کے خود بخود بننے کو تسلیم نہیں کرتا لیکن اسی چیز کی اعلیٰ شکل(Better Quality) کے خالق کا انکار کر دیتا ہے۔کیا صرف اسلئے کہ ہماری آنکھوں میں موجود عدسے کو بنانے والا نظر نہیں آتا......؟ اصول تو ایک ہونا چاہیئے۔پس اگر ہم بے اصولی اور نا انصافی کو چھوڑ کر سچائی اور انصاف سے کام لیں تو یہ عینک ہمیں ہمارے خالق تک رہنمائی کرنے کیلئے کافی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں سچائی کو تسلیم کرنے کی توفیق دے۔(آمین)

ہڈیوں کا ڈھانچہ(Skelton):

کبھی ہم نے غور کیا کہ ہمارے وجود میں ہڈیوں کا ڈھانچہ قدرت کی کتنی بڑی مہربانی ہے۔ان ہڈیوں کی بدولت ہی ہم بیٹھ سکتے ہیں کھڑے ہوسکتے ہیں، چل پھر سکتے ہیں۔اگر ہڈیاں نہ ہوتیں تو ہم بے بس ہوکر ہمیشہ لیٹے رہتے۔ضرورت کے مطابق جگہ جگہ جوڑ رکھے گئے ہیں جو بیئرنگ کی طرح کام کرتے ہیں۔ ہڈیوں کے اندر ان جوڑوں کو باریک جھلی سے بنا کر آپس میں جوڑا تاکہ آسانی سے حرکت کر سکیں۔

جو کہ قدرت کی صنعت گری کی عظیم نشانی ہے۔ جوڑوں کے درمیان مناسب فاصلہ (Gap) برقرار رکھا ہے۔ کسی خرابی کے باعث اگر یہ فاصلہ تھوڑا زیادہ ہوجائے تو شدید درد محسوس ہوتا ہے۔ حرکت کے دوران ان جوڑوں پر دباؤ پڑتا ہے تو ان سے خاص قسم کا مادہ خارج ہوکر سطح پر آجاتا ہے چکناہٹ (Lubrication) پیدا کرنے کے لئے تاکہ یہ جوڑ رگڑ سے بچ سکیں۔ لوہے جیسی مضبوط دھاتوں سے بنے ہوئے آلات جیسے بیرنگ (Bearings) وغیرہ استعمال سے سال دوسال بعدَ گھس جاتے ہیں، انہیں تبدیل کرنا پڑتا ہے لیکن انسان کے جوڑ پوری زندگی 70-80 سال تک چلتے رہتے ہیں۔ سابقہ اقوام کی عمریں ہزار ہزار برس سے زائد تھیں، انکی ہڈیاں انکی ضرورت کے مطابق بنادی گئیں۔ یہ ہڈیاں اور جوڑ اتنے مضبوط بنائے گئے ہیں کہ انسان ان کی بدولت بھاری بھرکم بوجھ اُٹھا سکتا ہے، بعض لوگ اڑھائی من کی بوری آسانی سے اُٹھا لیتے ہیں۔

ہمارے جسم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف جسامت کی 206 ہڈیاں پیدا کی ہیں جو مختلف افعال سرانجام دیتی ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری نمو کے دوران ہمارے جسم میں یہ ہڈیاں خود بخود بن گئی ہوں۔ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں تو پھر ہم اس کے رستے پر کیوں نہیں چلتے؟

ہمارے ہاتھ:

ہم آسان کاموں سے لے کر پیچیدہ ترین کام کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں کے مرہون منت ہیں۔ سوئی میں دھاگہ ڈالنا، اشیاء پکڑنا، لکھنا وغیرہ ان ہاتھوں کی بدولت ہی ہے۔ ہاتھ اور انگلیاں بڑی تیزی سے حرکت کرسکتی ہیں۔ انگوٹھا سب انگلیوں پر پھرتا ہے اور بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چاہیں تو ہم ہاتھ سے چلو بنالیں پانی پینے کے لئے۔ چاہے دشمن سے بچاؤ کے لئے گھونسہ بنالیں۔ ہماری ضرورت کے مطابق انگلیاں چھوٹی بڑی بنائی ہیں۔ سائنس نے یہ بات بھی ثابت کردی ہے کہ انگلیوں کی تعداد اور ترتیب احسن ہے اور اس سے بہتر کوئی اور صورت ممکن نہ تھی۔ دنیا جہان کے عاقل مل کر بھی اس سے بہتر صورت نہ بنا سکتے تھے اسی لئے ربوٹ بھی اسی طرز پر بنائے جاتے ہیں۔ دنیا کی ساری ترقی ان ہاتھوں سے ہوئی، بڑی بڑی

عمارتیں، سڑکیں، مشینیں، کمپیوٹرز اور کتابیں ان ہاتھوں سے ہی بنی ہیں۔ انگلیوں کے آخری سروں پر ناخن لگائے ہیں تا کہ چیزوں کو پکڑنے کے دوران مضبوطی فراہم ہو سکے اور خوبصورتی کا باعث بھی ہوں، گوشت کا ناخنوں میں تبدیل ہونا اور ان کا باہر نکلتے رہنا قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔
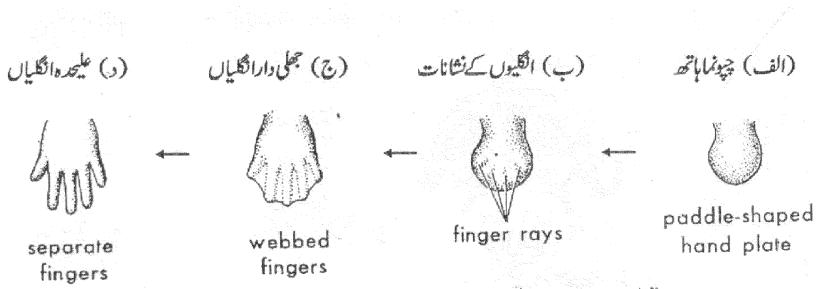
ہاتھوں کی اندرونی سطح کا گوشت مضبوط ہے تا کہ چیزوں کو پکڑنے اٹھانے سے ہاتھ زخمی نہ ہو اور سفید ہے تا کہ خوبصورتی ہو۔ بیرونی جلد نے چونکہ بہت کم استعمال ہونا تھا اس لئے اسکا گوشت نرم ہے، اگر بیرونی جلد کی طرح اندرونی جلد ہوتی تو اشیاء کو اُٹھانے پکڑنے سے ہاتھ زخمی ہو جاتے۔ انسان اور جانور میں ہاتھوں کا فرق ہے، انسان کا پورا جسم پاؤں پر کھڑا کیا اور ہاتھ آزاد کیے جبکہ جانوروں کو ہاتھوں کی آزادی نہ دی اسی لئے وہ ہمارے ماتحت ہیں ورنہ جتنی طاقت جانوروں میں ہے اگر ان کو ہاتھوں کی آزادی ہوتی تو انسان دنیا میں نظر نہ آتے۔ یوں اللہ ﷻ نے حکمت کے تحت جانوروں کو قابو کیا ہے۔

سوچیں! کیا یہ سب کچھ بغیر کسی کے بنائے خود بخود بن گیا ہے؟ افسوس ہے ان لوگوں پر جو سوچتے نہیں۔ اللہ ﷻ کی اس نعمت کو استعمال کرتے ہوئے اس کی شکرگزاری نہیں کرتے۔ اگر ہمارا پورا جسم سلامت ہو اور ہاتھ نہ ہوں تو ہم کتنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ کیا ان ہاتھوں کو ہم نے خود بنایا ہے یا اللہ ﷻ کے علاوہ کسی اور نے تخلیق کیا ہے۔ اگر ہم سوچیں اور انصاف سے فیصلہ کریں تو ہمارے ہاتھ ہمیں ہمارے خالق سے متعارف کرانے اور اس پر یقین پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

پاؤں(Foot):

ہمارا پاؤں قدرت کی تخلیق کا بہت بڑا شاہکار ہے۔ پاؤں کا پنجہ سخت بنایا ہے تاکہ پورے جسم کے وزن کو برداشت کر سکے اور چلنے کے لئے موزوں ہو۔ ہماری ایڑھی اللّٰہ ﷻ کی بہت بڑی نشانی ہے۔ اس میں قدرت کی دونشانیاں ہیں ایک پیچھے کو بڑھے ہونا تاکہ انسان جب دوٹانگوں پر کھڑا ہوتو پیچھے گر نہ جائے اور دوسری نشانی اسکا باقی پاؤں کی نسبت زیادہ سخت ہونا کیونکہ زیادہ وزن اسی پر پڑتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا ایسا موزوں پاؤں نہ بناتے تو ہم چل نہ سکتے، اُٹھتے تو گر جاتے۔ پاؤں کے ساتھ ہی مضبوط جوڑ بنایا جسکی بدولت ہم چلنے کے قابل ہوئے۔ کیا اسے اس طرز پر ہم نے خود بنالیا ہے؟ یا گوشت اور ہڈیاں خود بخود اس صورت میں تبدیل ہوگئی ہیں؟

کیا ہماری پیدائش محض اتفاقاً ممکن ہے؟

یقیناً آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوچکی ہوگی کہ ہماری پیدائش کوئی محض اتفاقی حادثہ (By Chance) نہیں بلکہ ہم کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پیدا کئے گئے ہیں۔ ذکر کردہ دلائل سے بھی اگر کسی کو یقین نہیں آیا کہ ہمیں کسی لامحدود ذہن والے نے بنایا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اتفاقی حادثات سے انسانی پیدائش کے امکانات موجود ہیں تو بطور عبرت درج ذیل حقائق ملاحظہ کریں۔

نمبر ۱: ہماری تعمیر جن اینٹوں سے ہوئی ان اینٹوں کا نام خلیہ (Cell) ہے اور پروٹین (Protein) اس خلیہ کا اہم جزو ہے جس میں 5۔عناصر: کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور سلفر شامل ہیں۔ پروٹین کے ایک سالمے (مالیکیول) میں ان عناصر کے جواہر (ایٹم) کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔

فرینک ایلن (Frank Allen) نے پروٹین کے ایک سالمہ (Molecule) کے اتفاقی حادثات کے ذریعے سے تشکیل ہونے کے امکانات کا حساب لگا کر یہ نتائج اخذ کئے۔

(i) زمین میں بے ترتیبی سے پڑے ہوئے 92۔ عناصر (Elements) میں اگر متذکرہ 5۔

عناصر اتفاقی حادثات کے ذریعے سلسلہ وار کیمیائی ملاپ کرتے جائیں اور ایک خاص نسبت سے ملیں تو پروٹین کے ایک سالمے کے بننے کے امکان کی نسبت $1:10^{160}$ نکلتی ہے۔ یعنی 10^{160} مرتبہ یہ عناصر آپس میں ملیں اور مختلف مرکبات بناتے جائیں تو پروٹین کا سالمہ (Molecule) بننے کا امکان ایک دفعہ ہے۔

نوٹ: 10^{160} اتنی بڑی رقم ہے جو ہمارے شمار میں بھی نہیں آسکتی جو ثابت کرتی ہے کہ پروٹین کے سالمے کے خود بخود بننے کا کوئی امکان نہیں۔ 10^{9} ایک ارب کے برابر ہے۔

(ii) متذکرہ کیمیائی ملاپ میں استعمال ہونے والی اشیاء کی مادی مقدار کی ضرورت کا حساب لگایا گیا تو وہ پوری کائنات کی مادی مقدار سے 10 لاکھ گنا زیادہ نکلی۔

چارلس یوگین گے (Charles Ugene Gay) نے متذکرہ تعداد میں اتفاقی حادثات سے پروٹین کے ایک سالمے کے لئے درکار وقت کا حساب لگایا ہے کہ اس میں 10^{243} سال صرف ہوتے ہیں۔ یہ اتنا وقت ہے کہ اس میں ہماری کائنات سے کروڑوں گنا بڑی کائنات بن سکتی ہے۔ سائنس نے کائنات کی عمر کا اندازہ 13.7 ارب سال لگایا ہے۔ یہ طویل عرصہ بھی ایک مطلوبہ پروٹین کے سالمے (Molecule) کو اتفاقاً وجود میں لانے کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

(Quoted by: Addemerdash A. Surhan in "Allah yatajall fi'vasr Al-,ilm", Buirut)

سوچیں اور بصیرت سے کام لیں!

نوزائیدہ بچے میں قریباً 60 ارب خلیے (Cells) ہوتے ہیں جن میں پروٹین اور کئی دوسرے مرکبات کے سالمے ہوتے ہیں اور یہ تمام خلیے (Cells) صرف 9 ماہ کے قلیل عرصے میں تیار ہوجاتے ہیں۔ دنیا میں پیدا ہونے والے لاکھوں انسانی بچوں اور اربوں دیگر مخلوقات کے بچوں میں یہ خلیے

(Cells) کیا محض اتفاقی حادثات سے خود بخود بن رہے ہیں؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟

نمبر ۲: کیا یہ ممکن ہے کہ انسانی بیج نطفہ امشاج (Zygote) جیسی حقیر چیز محض اتفاق سے پورے انسان میں تبدیل ہوجائے جس میں انتہائی پیچیدہ اور جدید ترین اعضاء ہوں اور مقرر کردہ منصوبے کے تحت مختلف کام سرانجام دیتے ہوں۔ کیا ہمارا گوشت خود بخود بن گیا ہے اور مادے نے خود بخود آنکھوں، بالوں، منہ، دانتوں، زبان، ناک، ہونٹ، جگر، دل، دماغ، معدہ، گردے، ہاتھ، پاؤں، کانوں اور ہڈیوں وغیرہ کی شکل اختیار کرلی ہے؟ کیا زبان کے گوشت میں ذائقہ کی صلاحیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے؟

نمبر ۳: اتفاقی حادثات کسی ضابطے اور قانون کی پابندی نہیں کرتے۔ کیا انسان کی نمو کے مراحل اور اس کے اعضاء بے ضابطہ اور بے کار ہیں؟ اگر نہیں تو بغیر کسی کے بنائے یہ خود بخود کیسے بن گئے؟ پس انتہائی پیچیدہ اور نہایت اہم افعال سرانجام دینے والے بہترین انسانی اعضاء: ہماری آنکھیں، چہرہ، ہونٹ، دانت، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، ٹانگیں، دل، گردے، معدہ، جگر، پھیپھڑے، بال.... ہمارا پورا وجود زبان حال سے پکار پکار کر اس یقینی حقیقت کی گواہی دے رہا ہے کہ ہمیں کسی نے بنایا ہے اور وہ صرف اور صرف ایک اللہ ﷻ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

نمبر ٤: پروٹین ''امینو ایسڈ'' (Amino Acids) کے لمبے سلسلوں (Chain Reactions) سے وجود میں آتے ہیں اور پروٹین کے بننے کے لئے اس سلسلوں کا خاص ترتیب اور طریقے سے باہم ملاپ کرنا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اگر یہ غلط طریقہ سے باہم یکجا ہوجائیں تو یہ زندگی کی بقاء کا ذریعہ بننے کی بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں۔ پروفیسر جے۔ بی۔ لیتھز (J.B. Leathes) نے حساب لگایا ہے کہ ایک سادہ سے پروٹین کے سلسلوں کو اربوں، کھربوں طریقوں سے یکجا کیا جاسکتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ یہ تمام امکانات ایک پروٹینی سالمہ (Molecule) کو وجود میں لانے کے لئے محض اتفاق سے یکجا ہوجائیں۔

اتفاقی حادثات کے ذریعے وقوع پذیر ہونے والے عوامل کو سمجھنے کے لئے سائنس نے امکانی نظریہ (Theory of Probability) پیش کیا ہے جسے ہم سب کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے کئی مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ یہاں ہم کریسی ماریسن (A. Cressy Morrison) کی بیان کردہ آسان اور عام فہم مثال سے امکان (Probability) کو سمجھتے ہیں۔

مثال: اگر 10 سکے لئے جائیں جن پر ایک سے دس تک (1,2,3,.....10) کے نمبرز لکھ دیے جائیں۔ انہیں جیب میں ڈال کر اچھی طرح ہلا دیا جائے۔ اب انہیں ایک سے دس تک ترتیب وار جیب سے نکالنے کے لئے پہلے ایک سکہ، پھر دو سکے،۔۔۔نکالے جائیں اور ہر دفعہ نکالنے کے بعد سکے دوبارہ جیب میں ڈال دیے جائیں۔

یہ امکان (Probability) کہ نمبر ا والا سکہ پہلی بار ہی ہاتھ میں آجائے دس میں سے ایک ہے یعنی اگر 10۔مرتبہ ایک ایک سکہ نکالا جائے تو نمبر 1 کے سکہ کے نکلنے کا امکان صرف ایک دفعہ ہے یعنی صرف ایک مرتبہ نمبر 1 کا سکہ آپ کے ہاتھ لگنے کا امکان ہے۔ یہ کہ نمبر 1 اور نمبر 2 والا سکہ ترتیب سے باہر نکل آئے اس کا امکان (10x10=100) سو میں سے ایک ہے۔ یہ کہ نمبر 2,1 اور 3 بالترتیب نکل آئیں اس کا امکان ہزار میں سے ایک ہے۔ یہاں تک کہ یہ امکان کہ ایک سے دس تک تمام سکے بالترتیب ہاتھ میں آجائیں دس ارب میں صرف ایک بار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر 10 ارب مرتبہ دس کے دس سکے نکالے جائیں تو صرف ایک مرتبہ اس بات کا امکان ہے کہ ایک سے دس تک بالترتیب سکے باہر نکلیں۔

نوٹ: 10 ارب اتنی بڑی رقم ہے کہ اگر سکے نکالنے کا یہ کام مسلسل کیا جائے تو تقریباً 500 سال لگ جائیں۔

نمبر ۵: لے کامٹے ڈونوائے (Le Comte Dn Nauy) کے مطابق یہ کام (پروٹین کے بننے) کے لئے ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جس کا دائرہ اتنا بڑا ہو جس میں روشنی 10^{82} سال (نوری

سال) سفر کر کے اس عالم (علاقے) کو پار (عبور) کر سکے۔ یہ رقبہ موجودہ کائنات سے بہت زیادہ ہے کیونکہ ہماری بعید ترین کہکشاں کی روشنی چندملین نوری سال میں ہم تک پہنچ جاتی ہے۔

نمبر ٦: پھر بذات خود پروٹیں ایک کیمیائی شے ہے جس میں زندگی موجودنہیں۔اسی طرح خلیہ میں پائے جانے والے دیگر کئی مرکبات میں بھی زندگی نہیں۔ان اجزاء میں زندگی کی حرارت خود بخود کیسے پیدا ہوگئی؟ انسانی جسم میں پروٹین کے علاوہ اربوں دیگر مرکبات کیسے بن گئے؟ سائنس توان اجزاء کے بننے کی توجیہ نہیں کرسکی۔توان میں زندگی پیدا ہونے کی توجیہ کیسے ہو سکے گی؟

نمبر ٧: ماں کے پیٹ میں دورانِ نموہم ۹۔ماہ اندھیرے ماحول میں گزارتے ہیں اسکے باوجود عالم دنیا کے روشن ایام گزارنے کے لئے ہماری آنکھیں بنتی ہیں، آبی ماحول میں رہتے ہوئے ہوائی ماحول میں سانس لینے کے اعضاء پھیپھڑے بنتے ہیں، جھلیوں میں مقید ماحول میں رہتے ہوئے آزاد ماحول میں چلنے پھرنے کے لئے ٹانگیں اور بازو وغیرہ بنتے ہیں اسکے باوجود کہ پرورش والے ماحول میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔اسی طرح انڈے کے مقید ماحول میں پرورش پانے والے پرندوں کے بچوں کو آزاد ماحول میں اڑنے کے لئے موزوں پر لگائے۔اس قسم کے بہت سے حقائق کا کیا اسکے سوا کوئی اور جواب ہے کہ ہمیں کسی علیم وخبیر ہستی نے پیدا کیا ہے، جسے دورانِ پیدائش ہماری بعد کی تمام ضروریات کا پورا پورا علم ہے۔کیا اس واضح حیرت انگیز حقیقت کی اسکے سوا کوئی اور توجیہ ممکن ہے کہ ہمیں اللہ ﷻ نے بنایا ہے؟ صرف یہ ایک حقیقت اپنے رب پر کامل ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔افسوس ہے ہم پر اکہ ہم اتنے بین حقائق سے چشم پوشی کرلیں جنکو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں؟ یہ جو کچھ آپ نے پڑھا کیا یہ حقیقت نہیں؟ کیا یہ کوئی افسانہ ہے؟ یا محض الفاظ کا ہیر پھیر ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ان حقائق سے ہم آنکھیں تو بند کرسکتے ہیں لیکن ان کا انکار نہیں کرسکتے۔ اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے اور ہمیں اللہ ﷻ نے ہی بنایا ہے تو پھر بھی اس کے رستے کو نہ اپنانا

سمجھ نہیں آتا۔ آئیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے فوراً اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق گزارنے کا پختہ عزم کریں اور اس فیصلے میں دیر نہ کریں کہ یہ مہلت کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے۔

خالق کائنات کا انسانی تخلیق کو حق کی دلیل بنانا

آپ کو اپنی ذات کے متعلق کچھ ضروری واقفیت ہونے کے بعد اس امر سے ضرور آگاہی ہو چکی ہوگی کہ آپ کا وجود کوئی حقیر اور نا کارہ چیز نہیں جو خود بخود بغیر کسی کے بنائے بن جائے۔ چونکہ ہم اپنے متعلق غور نہیں کرتے اس لئے اپنے خالق سے غافل رہتے ہیں۔ انسان عمومی طور پر یہی خیال کرتا ہے کہ وہ ایک خود کار (Automatic) نظام کے تحت خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس غفلت سے نکالنے اور اپنی خالقیت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے انسان کو تدبر کی دعوت دی ہے جیسے فرمایا:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ٥﴾(الطّور:52،آیت:35)

ترجمہ: ''کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ (اپنے آپ کو) خود پیدا کرنے والے ہیں؟''

ایک جگہ فرمایا: ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ٥﴾(الواقعہ:56،آیت:57)

ترجمہ: ''ہم نے ہی تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں (اس حقیقت کی) تصدیق نہیں کرتے؟''

انسان سے مزید سوال کیا:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ٥ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾(الواقعہ:56،آیت:59-58)

ترجمہ: ''پھر یہ بتلاؤ کہ جو قطرہ تم ٹپکاتے ہو کیا اس کا (انسان) تم بناتے ہو یا ہم ہی تمہیں بنانے والے ہیں؟''

اُمید ہے آپ کو اپنی ذات کی کچھ پہچان ضرور نصیب ہو چکی ہوگی، آپ پر حقیقت کھل چکی ہوگی۔

آپ اپنے بنانے والے سے آگاہی ضرور حاصل کر چکے ہوں گے۔ اگران سوالوں کا جواب ہاں میں ہے تو پھر آپ کو مبارک ہو، اللہ ﷻ کا شکرادا کریں کہ آپ کی زندگی میں آپ تک یہ حقائق پہنچ گئے۔زندگی کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً آج ہی اللہ کے رستے کو سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی کو ڈھالنے کا پختہ عہد کریں اور اللہ ﷻ کی منشا کے رستے کو اپنانے کے لئے بھرپور کوشش کا آغاز آج ہی کر دیں۔اپنی ذاتی اغراض سے بالاتر ہوکر زندگی گزارنے کا عزم کریں، انشاء اللہ ﷻ حقیقی سکون نصیب ہو جائے گا۔

اللہ ﷻ ہماری رہنمائی فرمائے۔(آمین)

باب ۲

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کی بہت بڑی نشانی

انبیاء ورسل اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ کی ایسی واضح نشانی ہے جسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ انبیاء کرام کے حوالے سے یقینی صداقت پر مبنی چند پہلو غور وفکر کے لئے پیش کرتے ہیں تا کہ حق واضح ہو جائے۔

i. **تمام انبیائے کرام کا نیک سیرت ہونا:** اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدائت کے لئے کثیر تعداد (ہزاروں) میں انبیاء ورُسل بھیجے۔ تاریخ بھی گواہ ہے اور تواتر سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جس معاشرہ میں ان برگزیدہ لوگوں نے پرورش پائی وہ معاشرہ چاہے کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو، ان خاص لوگوں کی صفات ہمیشہ اچھائی پر ہی رہیں۔ معاشرے میں موجود برائیوں سے ان کا دامن ہمیشہ پاک ہی رہا، حسد، بغض، کینہ، جھوٹ، فریب، دھوکے بازی اور وعدہ خلافی جیسے مہلک امراض سے یہ بچے رہے۔ بطور دلیل اختصار کی خاطر ہمارے پیارے رسول جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق چند باتیں بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں۔

- آپ ﷺ کا اعلان نبوت سے پہلے 40 سالہ پورا دور اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھا کہ لوگ آپ کو سچا اور دیانت دار کہہ کر پکارنے لگے۔ (الصادق الامین) آپ ﷺ کا مشہور لقب بن گیا چنانچہ جب حجر اسود کی تنصیب پر اختلافی جھگڑے کے فیصلے کے بعد آپ کو منتخب کیا گیا تو لوگوں نے کہا: (ھذا الامین) ۔ (یہ امین ہیں، ہم سب ان کے فیصلے پر متفق ہیں)۔ (بخاری باب ذکر فی الحجر الاسود)
- اعلان نبوت کے بعد جب آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ کوہ صفا کے دامن میں جمع لوگوں کو دعوت دی اور

حاضرین سے یہ سوال کیا کہ تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے تو سب نے یہی جواب دیا۔
''تمہارے اندر ہم نے سچائی کے سوا کوئی اور بات کبھی نہیں دیکھی''

- لوگ حفاظت کی خاطر اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھ دیتے کیونکہ اُنہیں آپ کی سچائی اور دیانتداری کا یقین تھا۔ (سیرت ابن ہشام جلد۔2 ،ص:298)
- ابوجہل جو آپ کا سخت ترین دشمن تھا اُس نے کہا: ''محمد ﷺ میں یہ نہیں کہتا کہ تم جھوٹے ہو مگر جس چیز کی تم تبلیغ کر رہے ہو اسکو میں صحیح نہیں سمجھتا'' (جامع ترمذی)
- آپ ﷺ کو ٹھکرانے والے کفار جو آپ کی زندگی سے واقف تھے، اُنہوں نے آپ ﷺ پر جھوٹا ہونے کا الزام نہیں لگایا تھا بلکہ وہ کہتے تھے آپ کی عقل کھو گئی ہے (معاذ اللہ) جادو اسیر ہو گیا ہے، جنات سوار ہیں وغیرہ وغیرہ

ساری تاریخ انسانی میں کسی ایسے شخص کا نام نہیں لیا جاسکتا جس کے مخاطبین شدید مخالفت کے باوجود بھی اس کی زندگی اور سیرت کے بارے میں اتنی غیر معمولی رائے رکھتے ہوں جو کہ آپ کے رسول اللہ ﷺ ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

کیا محض اتفاقاً یہ ممکن ہے کہ دنیا میں تشریف لانے والے ہزاروں انبیاء کرام سارے کے سارے نیک سیرت ہوں کوئی ایک بھی ان میں سے رستے سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ شماریات کی امکانی تھیوری (Probability) بھی یہی فیصلہ کرے گی کہ محض اتفاق سے یہ بات ہرگز ممکن نہیں۔ تو پھر اس حقیقت کی اسکے سوا اور کیا توجیہہ ہوسکتی ہے کہ ان لوگوں کو اللہ ﷻ نے بھیجا تھا اور اُنہیں اپنے سایہ رحمت میں رکھا جس کی بدولت ان سب کی زندگی لوگوں کے لئے نمونہ بنی رہی۔

ii **نبی کے کلام کی فوقیت:** جتنے بھی نبی آئے ان کا کلام ایسے پہلوؤں سے بھرا ہوا تھا جن کا بیان عام انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی طرح جن علوم وفنون میں لوگ مہارت رکھتے تھے ان کی طرف آنے والے پیغمبر کی تمام لوگوں سے بڑھ کر ان پر دسترس ہوتی تھی جو کہ ان لوگوں کے اللہ ﷻ کی

طرف سے نامزد ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

iii **دعوت کی بنیاد:** ہزاروں کی تعداد میں دنیا میں تشریف لانے والے انبیاء ورسل مختلف ادوار میں مختلف علاقوں کی طرف بھیجے گئے۔ان کے زمانے اور ادوار مختلف ہونے کے باوجود سب کی دعوت کی بنیاد ایک ہی مرکزی نقطہ پر تھی کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ بنانا جس کا تذکرہ قرآن مجید نے یوں کیا۔

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾(سورۃ النحل:16 آیت۔36)

ترجمہ: ”اور تحقیق ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا، اُسے یہی حکم دیا کہ صرف اللہ کی پرستش کرو اور باقی معبودوں سے بچو“

جن اقوام کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ اب بھی کسی نہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں جیسے یہودی اور عیسائی وغیرہ۔کیا یہ محض اتفاق تھا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ کی طرف دعوت دی؟ ہزاروں میں سے کسی ایک نے بھی دعوت کی بنیاد اللہ کے سوا کسی اور طرف نہ ڈالی۔ اس واضح حقیقت کی موجودگی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو بھیجنے والا کوئی ہے اور وہ اکیلا ہے۔کوئی ذی شعور انسان اس حقیقت کے آشکار ہو جانے کے بعد اللہ جل جلالہ پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی دولت سے نوازے اور ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے (آمین)۔

کتاب الٰہی کا جن وانس کو کھلا چیلنج

وہ لوگ جو قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے تردیدی امتحان پیش کیا ہے جسے پاس کرنے پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس کو چیلنج کیا ہے کہ اگر یہ کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں، یہ انسانوں نے بنائی ہے تو پھر تمام جن وانس مل کر اسطرح کی ایک کتاب بنالیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾(بنی اسرائیل:17 آیت:88)

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! فرمادیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگر چہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں''

اس چیلنج کو مزید آسان کر دیا، فرمایا:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾(البقرہ:2 ،آیت:23-24)

ترجمہ: ''اگر تمہیں شک ہے اس میں جو کتاب ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ اور بلا لو اللہ کے سوا تمام اپنے ساتھیوں کو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے''

یہ ایک حیرت انگیز دعویٰ ہے جو تاریخ انسانی میں آج تک کسی مصنف نے نہیں کیا اور نہ ہی کوئی انسان اسکی جرأت کر سکتا ہے، ممکن ہی نہیں کوئی مخلوق ایسی تحریر لکھ دے جس کے ہم مثل کوئی اور انسان نہ لکھ سکے۔ کیونکہ انسانی ذہن ایسا کلام تخلیق نہیں کر سکتا۔ ڈیڑھ ہزار برس گزر جانے کے باجود بھی کسی مخلوق کا اس پر قادر نہ ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے۔ یہ لامحدود منبع (Unlimited Origin) سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس کا جواب دینا مخلوق کے بس کی بات نہیں۔

عرب جو کہ اپنی فصاحت اور زبان دانی پر فخر کرتے تھے، ان میں سے کئی لوگوں نے اس قرآنی دعوے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی، جیسے لبید بن ربیعہ جو نظم فن میں مشہور تھا، اسنے جواب میں ایک نظم لکھ کر کعبہ کے پھاٹک پر آویزاں کی جس پر کسی مسلمان نے قرآن مجید کی ایک سورت لکھ کر اس نظم کے قریب آویزاں کر دی۔ لبید کی نظر جب اس سورت پر پڑی تو وہ غیر معمولی طور پر متاثر ہوا اور پکار اُٹھا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، اس نے سورت کے نیچے یہ الفاظ لکھ دیئے کہ:

﴿ما ھذا کلام البشر: یہ کسی انسان کا کلام نہیں﴾۔ چنانچہ وہ قرآن پر ایمان لے آئے۔

(Mohammad the Holy Prophet by H.G. Sarwar, p.448)

یہاں تک کہ عرب کے اس مشہور شاعر نے شاعری چھوڑ دی ایک مرتبہ جب حضرت عمرؓ نے ان سے اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا:

''جب خدا نے مجھے بقرہ اور آل عمران جیسا کلام دیا ہے تو اب شعر کہنا میرے لئے زیبا نہیں''۔

(استعیاب ابن عبدالبر، ترجمہ لبید)

جب لوگوں نے دیکھا کہ قرآن کا جادو لوگوں پر بہت اثر کر رہا ہے تو منکرین مذہب نے زمانے کے بہت ذہین ایرانی عالم اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل شخص ابن المقفع کو قرآن کے جواب میں ایک کتاب تیار کرنے کو کہا تو وہ ایک سال میں اس کام کو مکمل کرنے پر راضی ہو گیا، چنانچہ وہ یکسوئی کے ساتھ لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ گیا تا کہ ہمہ وقت اپنے ذہن کو مرکوز رکھ سکے۔ نصف مدت گزر جانے کے بعد جب اس کے ساتھی یہ جاننے کے لئے کہ اب تک کیا ہوا اسے ملنے گئے تو انہوں نے اسے اس حال میں بیٹھے ہوئے گہری سوچ میں پایا کہ قلم اس کے ہاتھ میں ہے ایک کاغذ اس کے سامنے ہے اور لکھ لکھ کر پھاڑے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اُس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ صرف ایک فقرہ لکھنے کی جدوجہد میں 6۔ ماہ گزر گئے مگر نہ لکھا جا سکا۔ چنانچہ نا امید اور شرمندہ ہو کر وہ اس خدمت سے دستبردار ہو گیا۔ یہ واقعہ (۷۲۷ء) میں پیش آیا۔ (Muhammad (P.B.U.H), his life & doctrines, p-143)

یہ چیلنج اللہ تعالیٰ نے ان عرب باشندوں کو کیا جو عربی زبان کے ماہر تھے اور اپنی مہارت پر فخر کرتے تھے اس کے باوجود وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے مافوق الاثر کے سامنے بے بس ہو گئے اور اس آسان سے چیلنج کو پورا نہ کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی بہن کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا جب اپنی بہن سے اس قرآن کا کچھ حصہ سنا تو حیران و ششدر رہ گئے۔ سورۃ طٰہٰ کی آیات نے ان کے من کی دنیا تبدیل کر دی اور اسے خدائی کلام تسلیم کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح ضماد ازدی نامی

ایک عرب آنحضور ﷺ کے پاس آئے، آپ نے اُسے قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا وہ حیرت زدہ ہو گئے اور اس کی زبان سے بے اختیار فقرہ نکلا:

''خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصیدے سنے ہیں، مگر تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے یہ تو سمندر میں اثر کر جائے گا'' (مسلم، باب تخفیف الصلوٰۃ)

ایک انگریز نومسلم محمد مارماڈیوک پکتھل لکھتے ہیں کہ

:''اس عجیب کتاب کے عجیب الفاظ ہیں کہ سننے والا اسکی تاثیر سے پگھل جاتا ہے، دل دھڑکنے لگتے ہیں اور آنکھیں تر ہو جاتی ہیں''

اسی طرح کے بے شمار واقعات قدیم تاریخ اور حال میں بھی موجود ہیں۔

ماضی کی طرح عصر حاضر میں بھی لوگوں نے اس قرآنی دعوے کو غلط ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس کے مقابلے میں کتابیں لکھی ہیں جن کو پڑھنے سے قرآن پر انسان کا ایمان مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ اہل لسان نے ان کے مثل ہونے کو قبول نہیں کیا۔ مزید یہ کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں موجود کئی حکمتیں ظاہر ہو رہی ہیں، جیسے صورتوں کے باہمی جوڑے، قرآن مجید میں پایا جانے والا حیرت انگیز ہندسی نظام وغیرہ، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس جیسا کلام بنانا انسان کے بس کی بات نہیں۔

قرآن کے اس چیلنج پر صدیاں گزر گئیں مگر تمام مخلوقات بے بس ہو گئیں اور اس آسان سے چیلنج کو پورا نہ کر سکیں جو کہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کسی مافوق ہستی کا کلام ہے۔ اگر آپ میں سوچنے کی صلاحیت ہے تو یہ ایک واقعہ ہی اس کتاب کے سچا ہونے، جن پر یہ کتاب نازل ہوئی وہ ﷺ کے برحق رسول ہونے اور خدا پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

باب ۳

کتاب الٰہی اور جدید سائنس سے دلائل قطعیہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے اپنے خاص نمائندے انبیاء ورسل بھیجے اور آسمان سے ان پر تعلیمات وحی کی صورت میں نازل فرمائیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور اپنے آخری محبوب نبی سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انسانیت کے نام آخری پیغام قرآن مجید کی صورت میں نازل فرمایا اور قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ یہ کتاب جو 1400 سال پہلے نازل ہوئی اس میں موجود بے شمار حقائق میں سے چند حقائق کو موجودہ جدید سائنسی مشاہدات اور قوانین کے تناظر میں دیکھتے ہیں جو سو فیصد (100%) اللہ جل جلالہ کے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا ڈیٹا (Data) ہے جو شک کا مکمل خاتمہ کرتے ہوئے آپ کو پختہ یقین کی منزل تک لے جائے گا۔

نوٹ: یاد رہے قرآن مجید اصلاً سائنس کی کتاب نہیں بلکہ یہ نشانیوں (**Signs**) کی کتاب ہے جس میں سائنس سمیت دیگر بہت سے علوم کی سچائی پر مبنی خبریں اور حقائق ہیں۔ سائنس سمیت دیگر علوم کی جو انتہا ہے وہ قرآن مجید کی ابتدا ہے۔ قرآن سچ ہے اور سائنس بھی سچائی کی تلاش میں سرگرداں ہے اسلئے سائنس بالآخر قرآن مجید تک پہنچ رہی ہے۔ چونکہ یہ سائنسی ترقی کا دور ہے اور سائنس کے علم پر تمام مذاہب کے لوگوں کا یقین ہے اسلئے قرآن مجید اور جدید سائنس کے تقابل سے چند حقائق پیش خدمت ہیں۔

دلیل نمبر ۱: انسانی تخلیق کے مراحل

باب۔۱ میں قدرے تفصیل کے ساتھ ہمارے ماں کے پیٹ میں تخلیق ہونے کے مختلف مراحل کے متعلق یقیناً آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وجود میں لانے کے مختلف مراحل کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ، ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ (المومنون:23،آیت:14۔12)

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے ہی انسان کو تخلیق کیا ہے مٹی کے جوہر سے، پھر نطفہ (قطرہ) کو ہم نے علقہ (جونک نما ساخت) بنایا، پھر علقہ کو مضغہ بنایا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی، جو پیدا کرنے والوں میں سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے''

اس خدائی خبر کے مطابق ہمارے بننے کے بنیادی مراحل یہ ہیں۔

(i) نطفہ سے نطفہ امشاج (مخلوط نطفہ یعنی زائیگوٹ) (ii) علقہ (جونک نما) (iii) مضغہ (iv) عظامہ (v) عظامہ پر گوشت چڑھنا (vi) نئے انسان کی تکمیل۔

سائنسی ترقی کے اعتبار سے تاریک دور میں ایسی بڑی خبر کا سچائی کے ساتھ 1400 سال پہلے ٹھیک ٹھیک بیان ہو جانا جن مراحل کو سائنس حال ہی میں جدید آلات کی مدد سے دریافت کر پائی ہو، کسی انسان کے لئے ناممکن تھا سوائے اس کے کہ خالق خود کسی پر اس خبر کو ظاہر کر دے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ میں مراحل کی تبدیلی کے لئے ﴿ثم﴾ جو کہ نسبتاً لمبے وقفے کو ظاہر کرتا ہے اور حرف جر ﴿فـا﴾ جو تیزی سے وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرتا ہے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ نطفہ سے علقہ میں تبدیلی قریباً تین ہفتوں میں اور آخری مرحلہ کے لیے کئی مہینے درکار ہوتے ہیں ان کے لیے 'ثم' جبکہ درمیانی

مراحل تیزی سے رونما ہوتے ہیں اسلئے انکے لئے 'فـا' استعمال ہوا ہے۔اس حقیقت کا اسکے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ اسکا کلام ہے جس نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔کاش ہم اس حیران کن خبر سے عبرت پکڑتے ہوئے خالق کائنات پر پختہ ایمان لے آئیں۔

☆ مذکورہ قرآنی دلیل پر معترضین کے اعتراضات کا تفصیلی جائزہ کتاب کے آخر میں اپینڈکس میں پیش کر دیا گیا ہے۔اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

دلیل نمبر۲: تین اندھیری پرتوں میں انسان کی تخلیق

اللہ تعالیٰ انسان کو تین اندھیری پرتوں کے پیچھے بناتا ہے جس کی سائنس نے بھی تصدیق کی۔

چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے مطابق قرآن پاک میں جن تین تاریک پردوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

i. شکم مادر کی اگلی دیوار

ii. رحم مادر کی دیوار

iii. غلاف جنین اور اس کے گرد لپٹی ہوئی جھلی

آج سے 1400 سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا اپنے برگزیدہ پیغمبر ﷺ سے یوں اعلان کروایا:

﴿یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ لَهُ الۡمُلۡکُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ﴾ (سورۃ الزمر:39 آیت:6)

ترجمہ: ''اور وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔یہ ہے وہ اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو''

اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف کرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جو تمہیں تین اندھیری پرتوں کے اندر بناتا ہے، پھر تم اس حقیقت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے اور کدھر بہک رہے ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا 1400 سال پہلے حادثاتی طور پر آنحضور ﷺ کی زبان اقدس سے یہ الفاظ نکل

گئے جبکہ اس دور میں نہ تو سائنسی لحاظ سے یہ بات دریافت ہوئی تھی اور نہ ہی یہ بات مشاہدہ میں تھی۔ یوں اس ایک ہی دلیل سے یہ بات پھر سے ثابت ہوگئی کہ یہ کتاب اللہ ﷻ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

دلیل نمبر ۳: ہر چیز جوڑوں میں بہت بڑی دلیل

قدیم زمانہ کے لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ انسانوں اور جانوروں کی طرح دیگر مخلوقات پودے وغیرہ کی بھی نر اور مادہ صنفیں ہوتی ہیں۔ جدید نباتیات (Botany) نے یہ بات دریافت کی ہے کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ اصناف ہوتی ہیں حتیٰ کہ یک صنفی (Unisexual) پودوں میں بھی نر اور مادہ کے اجزاء ہوتے ہیں۔ جدید نباتیات کے مطابق پودوں میں نر اعضائے تولید اسٹیمنز (Stamens) اور مادہ اعضائے تولید اوویولز (Ovules) ہوتے ہیں۔ جب زردانے (Pollen) پھول تک پہنچتے ہیں تو بارآوری (Fertilization) کا عمل ہوتا ہے جس کی بدولت پھول مطلوبہ پھل میں تبدیل ہوتا ہے جس میں بیج پیدا ہوتے ہیں جو نسل کو آگے بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ آج سے 1400 سال قبل یہ خبر اللہ ﷻ نے یوں دی۔

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الذّٰرِیٰت:51، آیت۔49)

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے شاید کہ تم اس (بات) سے نصیحت پکڑو''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یٰس:36، آیت نمبر36)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (ذات) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں''

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑوں میں ہونے کے بیان پر غور وفکر کرکے اپنی پہچان کا اشارہ دیا ہے۔ جملہ مخلوقات کے جوڑوں کی شکل میں ہونے کی خبر دی ہے۔ جن میں سے بعض کو انسان جانتا ہے اور بعض کو آنے

والے وقتوں میں جان جائے گا۔ جدید دریافتیں بتلاتی ہیں کہ جانوروں اور پودوں کے علاوہ بے جان اشیاء کے بھی جوڑے ہیں جیسے منفی باروالے الیکٹرون اور مثبت باروالے پروٹان، مثبت اور منفی چارج کے پولز (Poles) وغیرہ۔ مادے میں مثبت اور منفی جوڑوں (Partical & anti Partical) کی دریافت پر مشہور سائنسدان ڈیراق (Deraq) نے ۱۹۳۳ء میں نوبل انعام حاصل کیا جبکہ قرآن مجید نے ۱۴۰۰ سال پہلے اسے بیان کر دیا۔

قابل توجہ: ایسے تاریک دور میں جب مشاہدات کے ذریعے ایسی چیزوں کو پرکھنا ناممکن ہو، کیا ایسی یقینی خبر محض اتفاق سے کوئی دے سکتا ہے؟ انصاف سے اس بات کو تسلیم کریں کہ ایسی خبر صرف وہی دے سکتا تھا جس نے اشیاء کو تخلیق کیا ہو۔ کیا صرف یہ ایک آیتِ کریمہ حق کو تسلیم کرنے اور ایمان لانے کے لئے کافی نہیں۔ مزید تسلی کے لئے آئیں چند اور پہلوؤں پر غور کریں:

چند انتہائی قابل غور پہلو! یہ حقیقت کہ وہ اشیاء جو بہت پیچیدہ ہوں اور براہ راست مشاہدے میں نہ ہوں۔ ان کے بارے میں ٹھیک معلومات حاصل کرنے میں وقت لگتا ہے اور بتدریجاً صحیح معلومات تک انسان پہنچتا ہے۔ سائنسی انکشافات ایسی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔ مثال کے طور پر ایٹم (Atom) کی ساخت کے متعلق سب سے پہلے جان ڈالٹن نے ایک نظریہ پیش کیا، اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں ردرفورڈ نے بالکل ایک نیا نظریہ پیش کر دیا، جسکے بعد نیل بوہر نے ان دونوں نظریات کا رد کرتے ہوئے ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ جسے بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اسے حقیقت کے بہت قریب تصور کیا گیا، مزید وقت گزرنے کے بعد نیل بوہر کے بیان کردہ خاص توانائی (Definite energy) والے مداروں کے درمیان بھی اور ذیلی مدار (Sub Orbit) دریافت ہوگئے۔ یوں یہ تجدید اب تک جاری و ساری ہے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایٹم میں بہت سے نئے ذرات دریافت ہو رہے ہیں۔

اسی طرح انسانی نمو کے متعلق کچھ باتیں ہپوکریٹس نے کہیں، ارسطو نے مضحکہ خیز نظریہ پیش کیا، پھر گیلن نے نمو کے مراحل بیان کرنے کی کوشش کی جس میں کچھ باتیں ٹھیک اور کچھ غلط تھیں۔ یہاں تک کہ

جدید دور میں علم الجنین کے متعلق نظریہ تامیل (Performance Theory) پیش ہوا۔ جس کے کچھ ہی عرصہ بعد ولف (Wolf) نے اُسے غلط ثابت کر کے نظریہ اپی جینسیس (Epigensis theory)، 1775ء میں پیش کر دیا اس کے بعد 1839 میں خلیاتی نظریہ (Cell theory) آ گیا۔

کیا یہ ممکن ہے؟

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، عقل و دانش کے ساتھ انصاف سے فیصلہ کریں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تاریک دور (Dark age) میں، بغیر جدید سائنسی آلات اور مشاہدات کے کوئی شخص بغیر خالق کی رہنمائی کے ایک ہی دفعہ زبان (مبارک) سے الفاظ نکالے اور انتہائی مشکل معلومات جو طاقتور سائنسی آلات سے مشاہدہ کئے بغیر معلوم نہ کی جاسکتی ہوں وہ بالکل ٹھیک ٹھیک بیان ہو جائیں؟ کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے؟ کیا سائنس کا کوئی قانون اس بات کو تسلیم کرتا ہے؟

ہرگز ہرگز نہیں۔ اس کی صرف ایک ہی ممکنہ صورت ہے کہ اشیاء کا خالق، ان مراحل کو تخلیق کرنے والا خود اس بات کو بتلا دے۔ اگر آپ بلاتعصب غور کریں اور انصاف سے کام لیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ آج سے 1400 سال پہلے کسی کتاب کے اندر ایسی باتوں (ہماری نمو کے تخلیقی مراحل سمیت دیگر بہت ساری حقیقت پر مبنی معلومات) کا بیان ہو جانا اس کتاب کے سچا اور خدا کی طرف سے ہونے کا واضح ثبوت ہے جس کا انکار ممکن نہیں جیسا کہ اس فیلڈ کے ماہرین نے اعتراف کیا۔

آپ کو مبارک ہو:

اگر آپ کو بات سمجھ آ گئی ہے تو آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں ایک ایسی حقیقت ملاحظہ کی ہے جس نے شکوک وشبہات کے تمام رخنے بند کر دیے ہیں اور آپ کو غیب کے پردوں میں چھپے ہوئے اپنے پروردگار تک پہنچا دیا ہے۔ آئیں اس حقیقت کو تسلیم کریں اور اللہ جل جلالہ کے دامن کرم میں آتے ہوئے اپنی زندگی کو اللہ جل جلالہ کی منشاء کے تابع کر کے بسر کریں۔

مذکورہ آیات سے ضروری نتائج: مذکورہ حقائق سے درج ذیل تین ضروری نتائج نکلتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید ایک سچی کتاب ہے

۲۔ جس زبان اقدس سے مذکورہ آیات کے الفاظ نکلے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

۳۔ اللہ جل جلالہ کی ذات کا وجود ثابت ہو گیا۔

غلط ثابت ہونے کی واحد صورت: مذکورہ تین نتائج غلط ثابت ہونے کی واحد صورت یہ ہے کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ قرآن مجید میں یہ باتیں کسی نے سائنسی حقائق آشکار ہونے کے بعد یعنی جدید دور میں داخل کر دی ہیں۔ یہ بات ثابت کرنا ممکن نہیں کیونکہ قرآن مجید تواتر سے چلا آرہا ہے اور 1400 سال سے اس کا ایک حرف بھی تبدیل نہیں ہو سکا۔ اس لئے انصاف سے فیصلہ کیا جائے تو مذکورہ تین باتیں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ و رسول ﷺ پر ایمان لے آئے اور دنیا و آخرت کی سعادتیں لوٹ گئے۔ کاش ہمیں حق کو تسلیم کرنا نصیب ہو جائے۔ (آمین)

دلیل نمبر ٤: نظام شمسی ساکن نہیں

بہت عرصے تک سائنسدانوں اور یورپی فلسفیوں کا یہ یقین رہا ہے کہ زمین کائنات کے مرکز میں ساکن کھڑی ہے اور سورج سمیت تمام سیارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ چنانچہ: بطلیموس کے دور (دوسری صدی ق م) سے لے کر 16۔ ویں صدی عیسوی تک "ارض ساکن" کا نظریہ رہا ہے۔ اس سائنسی نظریہ کو سب سے زیادہ تسلیم کیا جاتا رہا۔

اس کے بعد ۱۵۱۲ء میں نکولس کوپرنیکس نے پہلے نظریہ کا رد کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج نظام شمسی کے مرکز میں ساکن کھڑا ہے اور تمام سیارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔

پھر ۱۶۰۹ء میں جرمن سائنسدان کیپلر نے "آسٹرونومیا نوا" نامی ایک کتاب شائع کی جس میں اُس نے ثابت کیا کہ (ا) نظام شمسی کے سیارے بیضہ نما (elliptical) مداروں میں سورج کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ اپنے محور کے گرد بھی گھومتے ہیں۔

اس کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ کوئی شے ساکن نہیں سب حرکت پذیر ہیں ۔ آئیں اب قرآن مجید کی سچائی کو ملاحظہ کریں اور اپنے پروردگار پر ایمان لے آئیں جو فرماتا ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا یہ سارے کے سارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں'' (سورۃ الانبیاء:21،آیت:33)

'یسبحون' ماخوذ ہے 'سبحا' سے، جس کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز حرکت کے ساتھ ساتھ اپنے محور کے گرد بھی گھوم رہی ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سورج اپنے محور کے گرد گھومتے ہوئے 25 دن میں اپنے محور کے گرد ایک چکر مکمل کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورج تقریبا 240 کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے سیاروں سمیت خلا میں سفر کرتے ہوئے تقریباً 20 کروڑ سال میں ہماری ملکی وے کہکشاں کے گرد اپنا ایک چکر مکمل کرتا ہے۔ سورج چاند بہت تیزی سے حرکت پذیر ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے۔ اللہ تعالیٰ نے آج سے 1400 سال پہلے ارشاد فرمایا:

﴿ لاَ الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلاَ الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَسْبَحُوْنَ﴾ (یٰسین:36، آیت:40)

ترجمہ: ''نہ تو سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے، یہ سب اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں''

اس آیت میں بیان کردہ حقیقت یعنی سورج اور چاند کی اپنے اپنے مداروں میں حرکت اور خلا میں ان کے سفر کو جدید فلکیات نے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔ چاند اپنے محور کے گرد تقریباً 29.5 دن میں ایک چکر مکمل کرتا ہے۔

شک کی گنجائش نہیں!! مذکورہ قرآنی آیات کی سائنسی حقائق سے تصدیق پر انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے ۔ وہ حقائق جو فلکیات کے ماہرین پر بھی چند سو سال پہلے تک نہ کھل سکے، جن کے متعلق ۱۶۰۹ء میں صحیح سمت

میں پیش رفت ہونا شروع ہوئی ان کا 1400 سال پہلے مکمل درستگی کے ساتھ بیان ہوجانا ایسی حقیقت ہے جسے نہ تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، نہ ہی اسے غلط ثابت کرنا ممکن ہے اور نہ ہی اسکی کوئی توجیہہ ممکن ہے سوائے اس کے کہ وہ جس نے ان سیاروں کو بنایا ہے، جو ان کی نگرانی کررہا ہے، جس نے ان کو حرکت کا پابند کیا ہے یہ اُسی کا بیان ہو۔ کیا ان آیات کو سمجھ لینے کے باوجود بھی آپ میں اشتیاق پیدا نہیں ہوا کہ آپ جانیں کہ قرآن مجید میں پیش کئے جانے والے علم کا منبع آخر کیا ہے؟ وہ اللہ کون ہے جو سورج، چاند اور دیگر سیاروں کو چلا رہا ہے؟

یہ جو کچھ آپ نے پڑھا یہ حقیقت ہے، ایسی حقیقت جس کا انکار ممکن نہیں۔ عقل وشعور رکھنے والا ہر شخص اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آئیں ان حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن مجید کو الہامی کتاب تسلیم کرتے ہوئے اس پر ایمان لے آئیں۔ اللہ جل جلالہ کو اپنا معبود اور اس کے پیارے رسول ﷺ کو اپنا رہبر تسلیم کرلیں۔

دلیل نمبرہ: کائنات کی تخلیق کی ابتداء

فلکیات کے ماہرین کے مطابق کائنات کی ابتداء عظیم دھماکے سے ہوئی ہے جسے بگ بینگ (Big Bang) کہا جاتا ہے۔ جب وقت کا ابھی آغاز نہیں ہوا تھا (At t= 0) اس وقت یہ پوری کائنات ایسے چھوٹے سے ریاضیاتی نکتے کی طرح تھی جس کا حجم صفر تھا لیکن اس کی کثافت (Density) لامحدود تھی، دھماکے کے بعد جیسے جیسے وقت بڑھتا گیا (t=0,1,2,3,4,5,6.... sec) یہ نکتا پھیلتا گیا جس سے کہکشائیں (Glaxies) وجود میں آئیں، ستارے اور سیارے بنے، زمین بنی جس پر ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسطرح بالآخر پوری کائنات وجود میں آگئی۔ اب تک 300 ارب سے زائد کہکشائیں دریافت ہوچکی ہیں ہر کہکشاں میں قریباً 250 ارب سے زائد سیارے (Stars) ہیں، سورج ان میں سے ایک ہے۔ عظیم دھماکہ کا نظریہ (Big Bang) دریافت کرنے پر 1973ء میں دوسائنسدانوں کو نوبل انعام (Nobel Prize) ملا۔ قرآن مجید سے آج سے 1400 سال پہلے کچھ ایسی ہی پیشین گوئی کے اشارات ملتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾(الانبیاء:21،آیت:30)

ترجمہ: '' کیا انکار کرنے والوں نے نہ دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی، کیا وہ (ہماری خلاقی) کونہیں مانتے ؟''

اس بات کی بھی تصدیق ہو چکی ہے کہ کہکشائیں بننے سے پہلے کائنات ابتدائی گیسی حالت میں تھی جس کو خالق نے اپنے ارادے سے کہکشاؤں میں تبدیل کر دیا۔ یہ بات قرآن مجید نے یوں بیان کی:

﴿ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ﴾(سورہ حم السجدہ:41، آیت:11)

ترجمہ:''پھر وہ (اللہ) آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا، اُس نے کہا'' وجود میں آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے ، ان دونوں (آسمان اور زمین) نے کہا ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح''

ہمیں فخر ہونا چاہیے اس عظیم کتاب، اس عظیم رسول ﷺ پر ایمان لانے پر، اُس اللہ ﷻ پر ایمان لانا، کتنے بڑے فخر کی بات ہے جس کا حکم پوری کائنات میں جاری وساری ہے، جس کے حکم کو زمین وآسمان سمجھتے ہیں اور خوشی سے اُسے تسلیم کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ٦ : پھیلتی ہوئی کائنات

امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے ١٩٢٥ء میں مشاہدات سے یہ بات ثابت کی کہ تمام کہکشائیں ایک دوسرے سے دور ہٹ رہی ہیں یعنی کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو 1400 سال پہلے بیان کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰہَا بِاَیۡىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ﴾ (سورہ الذاریات:51، آیت:47)

ترجمہ:''اور بنایا ہے آسمان کو ہم نے اپنے زور بازو سے اور ہم اسے وسعت دے رہے ہیں''

عصر حاضر کے نامور فلکی ماہر فزکس نے اپنی کتاب اے بریف ہسٹری آف ٹائم (A brief History of time) میں کائنات کے پھیلنے کو بیسویں صدی کے عظیم علمی وفکری انقلابات میں سے ایک انقلاب قرار دیا ہے۔ وہ تاریک دور جس میں دوربین تک موجود نہیں تھی، کائنات کی وسعتیں دریافت نہ ہوئیں تھیں کیا محض اتفاق سے اتنی بڑی صداقت آپ کی زبان اقدس سے بیان ہوگئی۔ کیا محض اتفاق سے اتنی بڑی حقیقت بیان ہوجانا ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کون سی چیز ہے جس نے آپ کو کائنات کے خالق و مالک سے دور رکھا ہوا ہے؟

دلیل نمبر۷: شہد کی مکھی اللہ کی نشانی

شہد کی مکھی کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ، ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے من میں یہ بات ڈال دی کہ گھر بنا پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے پیٹ سے رنگ برنگ کا ایک شربت (شہد) نکلتا ہے، جس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے، بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں'' (سورۃ النحل:16، آیت 68-69)

سبحان اللہ اس آیت کریمہ میں حکمت بھری خبروں کے ساتھ ساتھ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنی نشانی قرار دیا ہے۔ اور غور وفکر کی دعوت دی ہے، غور وفکر کرنے سے درج ذیل حقائق واضح ہوتے ہیں۔

(i) اللہ تعالیٰ کی اس لامحدود طاقت وقدرت کا پتہ چلتا ہے، جس نے تمام جانداروں کے دماغ میں اپنے امر کن سے ضروری ہدایت ورہنمائی ڈالی ہے جس کے مطابق جاندار اپنی زندگی بسر کرتے

ہیں۔شہد کی مکھی کے دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ تیرا کام پھلوں کا رس چوسنا، اُسے شہد میں تبدیل کرنا اور اپنے چھتے پہاڑوں، درختوں اور چھپروں میں بنانا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں زندگی بسر کرتی ہے۔ کیا یہ ایک ہی بات اللہ پر ایمان لانے کے لئے کافی نہیں۔

ii. شہد کی مکھی کو عطا کردہ خاص مہارت کا بیان ہے جس کے ذریعے وہ اپنے رستے کی پہچان کرتی ہے۔ چنانچہ وان فرش (Von Frisch) نے ۱۹۷۳ء میں جدید فوٹو گرافی اور دیگر پیچیدہ مشاہداتی ذرائع کی مدد سے شہد کی مکھیوں کے انداز و اطوار اور خبر رسانی پر تحقیق کر کے نوبل پرائز (Noble Prize) حاصل کیا۔ اُس نے دریافت کیا کہ شہد کی مکھی جب کوئی نیا باغ یا پودا دریافت کرتی ہے تو واپس جا کر مخصوص رقص (Bee Dance) کے ذریعے اپنی ساتھی مکھیوں کو درست سمت اور پہنچنے کا نقشہ بتاتی ہے۔ اس بات کا ہم مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں کہ اکثر پھولوں کے باغوں میں کثرت کے ساتھ شہد کی مکھیاں ہمارے فائدے کے لئے رس چوسنے میں مصروف نظر آتی ہیں۔ جو معلومات ۱۹۷۳ء میں جدید آلات سے دریافت ہوئیں وہ 1400 سال پہلے کس طرح اتفاقاً بیان ہو گئیں؟ کیا خالق کی وحی کے بغیر ایسا بیان ممکن ہے؟

iii. اللہ تعالیٰ نے مادہ جنس کو مخاطب کیا ہے یعنی وہ مکھی جو رس کی تلاش میں اپنا گھر چھوڑتی ہے وہ مادہ مکھی ہے۔ اس بات کو دریافت کرتے ہوئے جدید تحقیق کو بھی پچھلے تین سو سال لگ گئے۔ قرآن مجید میں اس خبر کا بیان ہونا اسکے منزل من اللہ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

iv. محض دو صدیاں قبل اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ شہد مکھی کے پیٹ سے حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ خبر ڈیڑھ ہزار برس پہلے سے اس کتاب میں موجود ہے۔

اختصار کی خاطر تحریر کو صرف انہیں دلائل تک محدود رکھا گیا ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں اور بھی بہت سے ایسے حقائق موجود ہیں جنہیں جدید سائنس نے حال ہی میں دریافت کیا جیسے سورج کے ایندھن کا بالآخر ختم ہو جانا، زندہ اشیاء کا آغاز پانی سے ہونا، سمندروں میں میٹھے اور کھاری پانی کی دریافت، آبی چکر.... وغیرہ۔

یہ چیزیں انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ آخر اس کلام کے علم کا منبع کیا ہے؟

آپ خوش قسمت ہیں آپ کو کچھ حقائق سمجھنے کا موقع ملا۔ اگر آپ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کو مبارک ہو آپ کا فیصلہ درست تھا۔ اللہ و رسول ﷺ پر ایمان لانا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ اُمید ہے آپ کا ایمان ان حقائق کی پہچان سے مزید پختہ ہوا ہوگا۔

اگر آپ کے دل نے بھی اس حقیقت کی تصدیق کر دی ہے کہ:

(۱) قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے

(۲) آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں

(۳) اللہ جل جلالہ اس کائنات کا خالق و مالک اور معبود برحق ہے۔

تو پھر اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتے ہوئے، دین کو ترجیح اول بنانے کا عزم کریں، اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور اُنہیں پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یہ زندگی کے چند روز تو گزر ہی جانے ہیں چاہے جس طرح بھی گزار لئے جائیں لیکن آخرت کا نہ ختم ہونے والا وقت کیسے گزرے گا۔

اگر آپ اللہ و رسول ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے تو آپ کو دعوت ہے مذکورہ دلائل پر غور و فکر کی بلا تعصب پیش کردہ معلومات پر غور و فکر کریں کہ کیا پیش کردہ حقائق صداقت پر مبنی ہیں یا نہیں۔ اگر آپ نے بصیرت سے کام لیا اور ان چیزوں کے متعلق سوچا تو انشاء اللہ عزوجل آپ پر راہ ہدایت آسانی سے کھل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو (آمین)۔

باب۴

قرآن مجید کی حیرت انگیز پیشین گوئیاں

فطری طور پر انسان کے اندر یہ خواہش موجود ہے کہ وہ چیزوں کے متعلق یقین حاصل کرے، یقین کی دولت حاصل ہونے کے بعد ہی انسان کے لئے صحیح طور پر عمل کی منزل پر گامزن ہونا ممکن ہوتا ہے۔ بجلی کی ننگی تاروں کو ہاتھ لگانے سے گریز کرنا، سانپ سے ڈرنا اور آگ سے بچنا اس یقینی علم کی بنا پر ہے جو ہمیں ان کے متعلق حاصل ہے۔ اسی طرح کا یقینی علم جب تک ہمیں دین کی حقانیت کے متعلق حاصل نہ ہوگا ہم دین پر صحیح طور پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے، اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ ہمارے لئے ترجیح اول (Top Priority) نہیں بن سکتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ عقل وشعور سے دین کی حقانیت اور صداقت کا یقین حاصل کیا جائے۔ اس کے لئے ایسے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہے جنہیں رد نہ کیا جا سکے۔ ایسے کچھ دلائل باب ۱ اور باب ۲ میں پیش کئے گئے ہیں جو زندگی کا رخ بدلنے کے لئے کافی ہیں۔ اس باب میں قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کی بنیاد پر ایسے دلائل قطعیہ پیش کئے جائیں گے جو انشاءاللہ آپ کے اندر حق کی پہچان کے متعلق ایسا ہی یقین کامل پیدا کریں گے جیسا آپ کو آگ اور سانپ کے متعلق ہے۔

تاریخ میں ایسے ذہین اور باہمت لوگ تو ملتے ہیں جنہوں نے پیشین گوئی کی جرأت کی لیکن زمانے نے ان کے پورا ہونے کی تصدیق نہ کی۔ پیشین گوئی کرنا تو آسان کام ہے لیکن اسکے پورا ہونے کے امکانات عام طور پر صفر ہوتے ہیں۔ حقیقت حال سے آگاہ ہونے کے لئے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

نپولین بوناپارٹ اپنے وقت کا عظیم کامیاب جنرل تھا۔ اپنی کامیابیوں پر اُسے اتنا ناز تھا کہ وہ اپنے آپ کو

تقدیر کا مالک سمجھنے لگا یہاں تک کہ اس نے قریبی مشیروں تک کے مشورے کو قبول کرنا چھوڑ دیا وہ کہا کرتا تھا کہ ''کامل غلبہ کے سوا میرا کوئی دوسرا انجام نہیں ہوسکتا'' مگر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔۱۲ جون ۱۸۱۵ء کو وہ اپنی سب سے بڑی فوج لے کر دشمن کو راستے میں ختم کرنے کے لئے پیرس سے روانہ ہوا لیکن دشمن کے نرغے میں آ گیا اور جنوبی اٹلانٹک کے جزیرہ پر تنہائی اور تلخ حالات میں پڑا پڑا ۵ مئی ۱۸۶۱ء کو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ہٹلر نے ۱۴ مارچ ۱۹۳۶ء کو میونخ کی مشہور تقریر میں کہا:

''میں اپنے راستہ پر اعتماد کے ساتھ چل رہا ہوں کہ غلبہ میرے حق میں مقدر ہو چکا ہے''

(A study of history (Abridgment) p-447)

مگر شکست اس عظیم ڈکٹیٹر کا مقدر بنی اور خودکشی کر کے اس نے جان دے دی۔

اسطرح کے موجودہ دور میں کئی واقعات ہم نے خود دیکھے سنے ہیں کہ لوگوں نے بہت بڑی بڑی پیشین گوئیاں کیں لیکن وقت آنے پر سوائے شرمندگی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پیشین گوئیوں کے متعلق جو وضاحت پیش کی گئی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے یقیناً آپ اس سے اتفاق کریں گے بلکہ آپ کا مشاہدہ بھی ہوگا۔

مگر پیش کردہ حقائق کے برعکس کتاب الٰہی (قرآن مجید) میں بھی بہت سی پیشین گوئیاں کی گئیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ ان تمام کی تمام پیشین گوئیوں کا حرف بحرف پورا ہونا اس بات کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ یہ کلام اس مافوق ہستی کا ہے جس کے قبضہ میں حالات کی باگ ڈور ہے، جو ہر چیز پر پورا قبضہ و قدرت رکھنے والا ہے اور ازل سے ابد تک کی ہر چیز کا مسلسل علم رکھنے والا ہے۔ آئیں ان میں سے چند پیشین گوئیاں ملاحظہ کریں اور اپنے اللہ پر یقین کامل حاصل کریں جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔

کتاب الٰہی کا محفوظ ہونا

قرآن مجید میں خالق کائنات نے بہت بڑی پیشین گوئی کی ہے کہ اس کتاب کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ اس میں کوئی الفاظ کی کمی بیشی نہیں کرسکے گا اور یہ تا قیامت اپنی اصلی حالت میں قائم رہے گی۔ اس کی حفاظت کا ذمہ پروردگار نے خود لیا، چنانچہ فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:15،آیت: 9)

''بے شک یہ ذکر (قرآن مجید) ہم نے ہی نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اسکے محافظ ہیں''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ (حم السجدہ : 42-41)

''اور بے شک یہ قرآن بہت معزز کتاب ہے، باطل نہ اس میں سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے''

1400 سال گزر گئے یہ کتاب جوں کی توں اپنی اصل حالت میں موجود ہے حالانکہ ابتدائی ادوار میں پرنٹ میڈیا کا باقاعدہ نظام نہ تھا، یہاں تک کہ لکھنے کے لئے کاغذ تک میسر نہ تھے، اس کے باوجود اسکا اصل حالت میں قائم رہنا اللہ کی ذات کی بہت بڑی نشانی ہے۔ سابقہ الہامی کتابیں تورات، انجیل وغیرہ تھوڑے ہی عرصے میں تبدیل ہو گئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد چونکہ پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ بند ہو جانا تھا اور اس آخری کتاب نے قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہدایت بننا تھا اس لئے اسکے اصلی حالت میں رہنے کی ذمہ داری پروردگار نے اپنے ذمے لے لی۔ جو کہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ وہ ہے جس کی بات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

یہ کتاب اس لئے سلامت نہیں کہ اسے تبدیل کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی بلکہ اس وجہ سے سلامت ہے کہ اسے اللہ جل جلالہ سلامت رکھے ہوئے ہے اور اس نے اسے تبدیل نہیں ہونے دیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور انکے ساتھیوں کی مدد و غلبہ اور کفار کا مغلوب ہونا

دلائل دیکھنے سے پہلے زمینی حقائق (Ground realities) سے کچھ آگہی حاصل کر لیں۔

چنانچہ جب آنحضور ﷺ نے اسلام کی دعوت شروع کی تو تقریباً پورا عرب آپ ﷺ کا مخالف ہو گیا۔ ایک طرف مشرک قبائل، دوسری طرف یہودی اور تیسری طرف منافقین جن کا مقصد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی جڑیں کاٹنا تھا۔ یہ تینوں گروہ آپ ﷺ کے جانی دشمن ہو گئے اور ہر صورت آپ ﷺ کو ناکام کرنے کا

فیصلہ کرلیا۔ دوسری طرف تھوڑے سے غلاموں اور کمزور لوگوں کے سوا کوئی آپ ﷺ کا ساتھی نہ تھا، انہیں حالات میں آپ ﷺ اپنی تحریک کو چلا رہے تھے، حالات اس قدر شدید ہو گئے کہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔ وطن چھوڑ کر جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ کے ساتھیوں کے پاس کوئی مکان نہ تھا۔ اکثر صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) ایک چبوترے پر زندگی گزارتے جس کا نام اصحاب صفہ پڑ گیا۔ ان کی تعداد تقریباً 400 تھی۔ ان کی حالت کے متعلق حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے 70 صحابہ کو دیکھا جن میں سے ہر شخص کا حال یہ تھا کہ اس کے پاس یا تو صرف ایک تہبند تھی یا صرف ایک چادر، وہ اسے اپنی گردن میں باندھ لیتا اور وہ اسکی پنڈلی تک لٹکتا رہتا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ خود فاقے کی وجہ سے نڈھال مسجد نبوی میں لیٹے رہتے۔ (جامع ترمذی)

مخالفین مذاق اڑاتے تھے کہ یہ لوگ قضائے حاجت کے لئے مدینہ کی حدود سے باہر تو جا نہیں سکتے لیکن قیصر و کسریٰ پر غلبہ کی باتیں کرتے ہیں۔ چند انسانوں کے اس بے سروسامان مدینے میں پڑے قافلے کو ہر آن چاروں طرف پھیلے دشمن سے خطرہ تھا کہ کہیں دشمن ان کو اچک نہ لے جائیں۔ زمینی حقائق (Ground realities) کے مطابق آپ ﷺ کو ناکام ہو جانا چاہیے تھا لیکن اللہ کی طرف سے آپ کو کامیابی اور غلبہ کی بشارتیں تھیں۔ قرآنی آیات سے چند حقائق ملاحظہ کریں اور زبردست غلبے اور خوبیوں والے رب پر اپنا ایمان پختہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کتاب الٰہی کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کا حکم جاری فرمایا اور آپ کی حفاظت اپنے ذمے لی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:5، آیت 67)

ترجمہ: ''اے رسول ﷺ! جو کچھ بھی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اُسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا اور آپ کا

اللہ (خود) آپ کولوگوں سے بچالے (حفاظت فرمائے) گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انکار کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''

ایسا ہی ہوا: چنانچہ زمانہ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ دنیاوی اسباب کے تحت بھی مختلف ذرائع سے آپ ﷺ کی حفاظت کی گئی اور شدید حالات میں معجزانہ طور پر آپ ﷺ کو بچایا گیا جس کی صداقت کے متعلق تاریخ اور دیگر مستند کتب گواہ ہیں جو کہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

رسولوں کی مدد کا وعدہ: اللہ تعالیٰ نے سابقہ رسولوں اور اپنے آخری نبی مکرم ﷺ کی مدد کا پیشگی وعدہ کیا اور آپ کے لشکر کے غالب رہنے کی پیشگی خبر دی چنانچہ ارشاد ہوا!

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ، اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ، وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (الصافات:37،آیت:171-173)

ترجمہ: ''اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً وہی مدد کئے جائیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (المجادلہ:58،آیت:21)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ (یہ بات) لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زورآور اور غالب ہے''

درس عبرت: مذکورہ آیات میں انسانیت کے لئے بہت بڑی عبرت ہے کہ دنیاوی حالات ناموافق ہونے کے باوجود اپنے رسولوں کی دعوت کو دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے سامنے غالب کیا، بڑے بڑے لشکروں والے فرعون، نمرود، ہامان اور ابوجہل وغیرہ آئے لیکن تھوڑے سے کمزور اور غریب لوگوں پر غلبہ نہ

کر سکے اور برے طریقے سے ناکام ہوئے، انبیاء کرام کو انکے مشن سے روک نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ جن سے جتنا کام لینا چاہتا تھا وہ لیا۔

ناموافق حالات میں اتنا بڑا پیشگی دعویٰ کرنا کیا کوئی آسان کام تھا؟ کیا کوئی مخلوق اتنا بڑا دعویٰ کر کے ہر صورت اُسے پورا کرسکتی ہے؟ اس بات کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق یہ وعدہ کیا جا رہا ہے وہ اللہ ﷻ کے بھیجے ہوئے تھے اور اس وعدہ کا پورا ہو جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن اللہ ﷻ کی کتاب ہے اور جن کی زبان اقدس سے قرآن کے الفاظ نکلے وہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہیں۔ اگر کسی نے بات تسلیم کرنی ہو تو مذکورہ آیات اس کے لئے کافی ہیں۔

حیرت انگیز بشارت: مسلمانوں نے جس بے کسی کی حالت میں مکہ چھوڑا تھا اور جس طرح کفار مسلمانوں کی جان کے پیاسے تھے، لگتا یہی تھا کہ مسلمان کبھی باعزت طریقے سے حج وعمرہ کی غرض سے مکہ میں داخل نہ ہوں گے لیکن وہ خالق جس کے ہاتھ میں تمام حالات کا دھارا ہے وہ مسلمانوں کو باعزت طریقے سے امن وامان کے ساتھ بیت اللہ (مکہ مکرمہ) میں داخل ہوتے دیکھنا چاہتا تھا، چنانچہ بطور تسلی اُس نے خواب کے ذریعے اپنے پیارے رسول جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کی پیشگی خوش خبری دی، ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح:48، آیت:27)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے، سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے (چین کے ساتھ) نڈر ہو کر۔ وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں آپ نہیں جانتے۔ پس اُس نے اس سے پہلے تمہیں ایک نزدیک کی فتح کی خبر دی''

چنانچہ آپ ﷺ اسے بشارت عظیم سمجھتے ہوئے فوراً آمادہ ہوگئے، منادی کرادی گئی اور رخت سفر باندھ لیا گیا۔ رستے میں حدیبیہ کے مقام پر صلح ہوئی جس کے نتیجے میں بہ کثرت لوگ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ آئندہ سال مسلمانوں نے نہایت امن وامان کے ساتھ عمرہ کیا یوں اللہ کی بات پوری ہوگئی۔

کیا اتنی بڑی صداقت اس حقیقت کا واضح ثبوت نہیں کہ یہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں؟ آخر کس طرح ان حقائق کو نظر انداز کیا جائے۔

چند مزید آیات:

ایمان کی پختگی کے لئے چند اور آیات ملاحظہ کرلیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے غالب رہنے کی پیشگی خوشخبریاں دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾

(سورہ آل عمران:3، آیت:111)

ترجمہ: ''یہ تمہیں ستانے (زبانی بہتان تراشی اور افترا) کے سوا اور زیادہ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اگر لڑائی کا موقعہ آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے، پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی''

☆ ﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران:3 ، آیت:139)

ترجمہ: ''تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہوگے اگر تم ایمان دار ہو''

☆ ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبہ:9، آیت:14)

ترجمہ: ''ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا، انہیں ذلیل ورسوا کرے گا، تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا''

کیا حق کی پہچان اور قبولیت کے لئے یہ دلائل کافی نہیں؟

کفار کے بارے میں پیشین گوئیاں

جس طرح مسلمانوں کی تسلی اور حوصلہ افزائی کے لئے انہیں پیشگی خوشخبریاں دی گئیں۔ اسی طرح کفار کے ناکام ونامراد ہونے کی خبریں بھی وقت سے پہلے ہی دے دی گئیں۔ ایسی چند خبریں ملاحظہ کریں اور اپنی قسمت پر رشک کریں کہ آپ اس اللہ پر ایمان لے آئے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا، مال و دولت اور دیگر وسائل بروئے کار لائے لیکن اللہ جل جلالہ نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا اور وقت آنے سے پہلے ہی ان کی ناکامی کی خبر دی۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ﴾ (سورۃ۔انفال:8, آیت: 36)

ترجمہ: ''بے شک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں۔ سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر (ایسا وقت آئے گا جب) وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر یہ (کافر) مغلوب ہو جائیں گے اور انکار کرنے والوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائیگا''

کیا اللہ جل جلالہ کے سوا اتنی بڑی پیشگی خبر کوئی دے سکتا ہے؟ تو پھر آپ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ موافق حالات اور مادی وسائل سے لیس کفار کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اور انہیں یقین تھا کہ وہ بے بس کمزور مسلمانوں پر غالب ہو جائیں گے لیکن وقت سے پہلے اللہ نے ان کو مغلوب کرنے کی خبر دی۔ ارشاد ہوا: ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ، سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾

(سورۃ القمر:54، آیت: 45۔44)

ترجمہ: ''یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں، عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھر کر بھاگے گی''

اللہ کی بات پوری ہوکررہی۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد بدر کا معرکہ ہوا جس میں کفار کا زعم وفخر خاک میں مل گیا، انہیں شکست ہوئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ اس معرکے کے بعد جب آنحضور ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ کی زبان مبارک پر اوپر ذکر کردہ آیت کریمہ تھی۔ (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر)

تمام دلائل ایک طرف! آپ سب دلائل اور حقائق سے چشم پوشی کرلیں اور صرف ایک اس دلیل کو سامنے رکھ لیں۔ تمام مخلوقات مل کر قیامت تک اس کی توجیہات بیان کریں۔ تو پھر بھی نہ کرسکیں گی صرف ایک ہی نتیجے پر متفق ہونا پڑے گا کہ یا تو یہ آیت کریمہ بدر کے وقوع پذیر ہونے کے بعد قرآن مجید میں داخل کی گئی ہے جو کہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہی صحیح نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ (۲) جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں (۳) اللہ ﷻ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

پس مبارک ہوان لوگوں کو جو بن دیکھے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اللہ ﷻ کی ذات پر ایمان لے آئے ہیں اگر آپ کو یقین کامل حاصل ہوگیا ہے تو اللہ کو زندگی کی سب سے بڑی ترجیح (Top Priority) بنانے میں دیر نہ کریں۔ فیصلہ ابھی کریں کہ زندگی کے ایام کسی وقت بھی ختم ہوسکتے ہیں۔

ابوجہل کو دھمکی: ابوجہل نبی کریم ﷺ کی مخالفت اور دشمنی سے آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ سخت دھمکی آمیز باتیں کرتا اور کہتا اللہ کی قسم، اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں اس پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ o نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ o فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ o سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (سورۃ العلق: 96، آیت 15-18)

ترجمہ: ”یقیناً اگر یہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، ایسی پیشانی جو جھوٹی خطاکار ہے۔ یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ہم بھی (دوزخ) کے پیادوں کو بلا لیں گے“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر وہ (ابوجہل) اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے

اسے پکڑ لیتے ۔(جامع ترمذی۔تفسیر سورۃ اقراء)

چنانچہ ابو جہل کو ذلیل رسوا کر دیا گیا اور اس کا انجام عبرتناک ہوا۔

بالآخر پیغمبر اسلام ﷺ کی شاندار کامیابی

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ چونکہ دین حق کو سربلند کرنا تھا اس لیے کافروں کی تدبیریں حالات سازگار ہونے کے باوجود بھی ان کے کام نہ آسکیں۔ اُس نے بے بس اور کمزور و ناتواں مسلمانوں کو مکمل غالب کرنے کی پیشگی خبر یوں دی۔

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ، هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾

(سورۃ الصف:61،آیت:9-8)

ترجمہ: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور (جبکہ) اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی روشنی (اسلام) کو مکمل کر کے رہے گا خواہ (یہ کام) منکروں کے لئے کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی (اللہ) تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے''

اس دعوے کو کئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ سارا عرب آپ کے قبضے میں آ گیا۔ تھوڑے سے نہتے اور بے سروسامان لوگ کثیر لوگوں پر جن کے پاس ہتھیاروں اور ساز وسامان کا ذخیرہ تھا اور وقت جن کا ساتھ دے رہا تھا، ان پر غالب آ گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنا پیشگی دعویٰ پورا کر دکھایا۔

ان حقائق کی عالم دنیا کے اسباب وذرائع اور مادی اصطلاحات کے مطابق کوئی اور توجیہہ ممکن نہیں، سوائے اس کے کہ آپ دنیا میں خدا کے نمائندے تھے، کائناتی طاقت آپ ﷺ کے ساتھ تھی ورنہ محض انسان یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسکی انسانی تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اس ناقابل یقین صورت حال کا اعتراف کیا، چنانچہ:

جے ڈبلیو۔ایچ۔اسٹوبرٹ(J.W.H. Stobert) نے اعتراف کیا کہ:

''آپ کے پاس جتنے کم ذرائع تھے،اور جو وسیع اور مستقل کارنامہ آپ نے انجام دیا،اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ساری انسانی تاریخ میں اتنا نمایاں طور پر درخشاں نام اور کوئی نظر نہیں آتا جتنا نبی عربی کا ہے'' **(Islam & its founder, p.228)**

سر ولیم میور **(Milliam Moir)** نے کہا:

''(جناب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا،انہیں مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ دن رات اپنی کامیابی کا انتظار رہتا تھا، بظاہر بالکل غیر محفوظ بلکہ یوں کہیے کہ شیر کے منہ میں رہ کر وہ ہمت دکھائی کہ اس کی نظیر اگر کہیں مل سکتی ہے تو صرف بائبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق ذکر آیا ہے کہ انہوں نے خدا سے کہا تھا کہ صرف میں رہ گیا ہوں'' **(LifeofMuhammad(P.B.U.H,P.221)**

آئیں ان حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے، اللہ جل جلالہ،اسکے رسول ﷺ اور اس کی کتاب پر ایمان لے آئیں اور ان کو زندگی کی ترجیح اول (Top Priority) بنالیں۔اللہ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

ایک اور ایمان افروز حقیقت

اللہ کی ذات کے وجود (Existence)،آنحضور ﷺ کے برحق رسول اور قرآن مجید کے اللہ کی کتاب ہونے پر یقین حاصل ہو جانے کے بعد،اسی کتاب سے دیگر اقوام کے متعلق ایک اور حیرت انگیز دلیل پیش خدمت ہے تا کہ ایمان اور مضبوط ہو جائے۔

اہل روم کا مغلوب ہونے کے بعد دوبارہ ایرانیوں پر غالب آنا

مذکورہ حیرت انگیز حقیقت کی پیشگی خبر قرآن مجید نے یوں دی:

﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ ، فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ، فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ، بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ

وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾(سورۃ الروم:30 آیت:5-1)

ترجمہ: ''رومی مغلوب ہو گئے ،نزدیک کی زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب (پھر سے) غالب آجائیں گے، چند ہی سال میں۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اس روز مسلمان شادمان ہوں گے اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، وہ بہت غالب اور رحم کرنے والا ہے''

عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں ایک فارس (ایران) اور دوسری روم تھی۔ایرانی اس وقت آتش پرست تھے جبکہ رومی اہل کتاب عیسائی تھے۔مسلمانوں کی ہمدردیاں عیسائیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے جبکہ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ دونوں غیر اللہ کے پجاری تھے۔آنحضور ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد ایرانی حکومت رومیوں پر غالب آگئی جس پر مشرک خوش ہوئے اور مسلمان غمزدہ ہو گئے۔آتش پرستوں نے رومی علاقہ پر قبضہ کر کے عیسائی مذہب کو مٹانے کے لئے شدید ترین مظالم شروع کئے، گرجا گھر مسمار کر دیئے گئے اور قریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا، ہر جگہ آتش کدے تعمیر کئے گئے اور آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ یہاں تک کہ قیصر روم نے ملک بچانے کی بجائے اپنی ذات کو بچانے کا فیصلہ کر لیا اور قسطنطنیہ کو چھوڑ کر بحری راستے سے اپنی جنوبی افریقہ کی ساحلی قیام گاہ میں جانے کا طے کر لیا۔

جتنا روم کے زوال پر لکھا گیا ہے اتنا شاید ہی کسی تہذیب کے خاتمے پر لکھا گیا ہو۔اس زوال کی تفصیلات "Edward Gibben" نے اپنی مشہور کتاب "The History of the Decline & fall of the Roman Empire" میں قلمبند کی ہیں۔

جس طرح رومی سلطنت زوال پذیر ہوئی مورخین کے مطابق چند سالوں میں اس کا دوبارہ غالب آنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کفار کو قرآن مجید کی یہ پیشگی ناممکن العمل نظر آتی تھی۔جب سورہ روم کی مذکورہ

آیات نازل ہوئیں تو کفار مکہ نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ تاہم مسلمانوں کو اللہ ﷻ کے اس فرمان پر پورا یقین تھا اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے یہ شرط باندھ لی کہ رومی 5۔سال کے اندر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ جب آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا(بِضْعَ) کا لفظ 3 سے 10 تک کے عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے تم نے 5 سال کی مدت کم کر رکھی ہے، اس میں اضافہ کرلو۔ چنانچہ معجزانہ طور پر رومی 9 سال کی مدت میں دوبارہ روم پر غالب آگئے۔ جس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ (جامع ترمذی۔تفسیر۔روم)

اب تو انکار کی کوئی صورت باقی نہ رہی!

اگر ایسا ہوتا کہ کوئی ایک آدھی پیشین گوئی سچ ثابت ہوجاتی اور باقی غلط ہوجاتیں تو پھر بھی کوئی صورت تھی انکار کی لیکن ساری کی ساری پیشین گوئیوں کا حرف بحرف سچا ثابت ہوجانا کیا ہمارے ذہن کے دریچے کھولنے کے لئے کافی نہیں کہ ہم اس صداقت کو تسلیم کرلیں۔ کیا ان حقائق کا نتیجہ اسلام کی صداقت کے سوا کوئی اور بھی نکل سکتا ہے؟

اس اٹل حقیقت نے عقل وبصیرت کی بنا پر حق کو تسلیم کرنے کا ایسا زبردست موقع دیا ہے کہ انکار کے تمام راستے بند کردیئے ہیں۔ آنے والے وقت سے 10 سال پہلے ایسی پیشین گوئی کردینا بظاہر اسباب جسکے پورا ہونے کے الٹ جارہے ہوں اسکا مذکورہ وقت (بِضْعَ:10-3)سال میں پورا ہوجانا تمام نسل انسانی کو دعوت غوروفکر دیتا ہے عقل ودانش کے ساتھ سوچنے کی۔ یہ جو کچھ آپ نے ملاحظہ کیا محض الفاظ تو نہیں یا کوئی ناول یا کہانی تو نہیں جسے نظر انداز کردیا جائے۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے جو اس بات کا واضح ثبوت دے رہی ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، جن پر یہ نازل ہوئی وہ یقیناً اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اللہ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے، تمام ذرائع ووسائل اسکے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اس باب میں جہاں آپ کو حق کی صداقت پر عین الیقین حاصل ہوا وہیں آپ کو اللہ کا بھی کچھ تعارف نصیب ہوا کہ اللہ ﷻ وہ ہے جس کے فیصلوں کے آگے نہ زمانے رکاوٹ بنتے ہیں نہ حالات

اسکے فیصلوں کوتبدیل کرسکتے ہیں۔اس کاعلم ازل تا ابد ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔جو ہو چکا وہ بھی اسکے علم میں اور جو ابھی ہونا ہے اس کی بھی وہ پوری پوری خبر رکھتا ہے، اسکی صفت ہے۔

☆ ﴿وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْماً﴾ (المومن،آیت:7)

ترجمہ: ''تونے ہر چیز کواپنی رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے''

☆ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ﴾ (البقرہ:2، آیت: 255)

ترجمہ: ''وہ (ہراس چیزکو) جانتا ہے جوان کے سامنے ہے اور جوانکے پیچھے''

حالات و واقعات سمیت ہر چیز اسکے قبضہ اختیار میں ہے۔کیا ایسی خصوصیات والی ذات سے غافل رہ کر زندگی بسر کرنا کوئی عقل مندی ہے؟ کوئی عقل مند انسان ایسی حیران کن خصوصیات والے رب سے دور رہ سکتا ہے؟ آئیں یقین کی اس دولت کے ملنے کی خوشی میں اس کا ہونے کا فیصلہ کرلیا جائے، اُسے اپنی زندگی کی ترجیح اول بنالیا جائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

آج آپ کو آپکے رب کی اس بات پر یقین کی دولت ملی کہ:

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهِ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

ترجمہ:''اور پوری ہوگئی تیرے رب کی (ہر) بات سچائی اور عدل کے ساتھ، اسکے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں، وہ تو سننے والا، جاننے والا ہے'' (الانعام:6 آیت:116)

فیصلہ کریں!

اگر آپ قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے تو آپ سے گزارش ہے کہ اس باب میں جو کچھ آپ نے پڑھا یا تو اسے غلط ثابت کریں اور ہماری بھی رہنمائی کریں اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر ان حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے اللہ و رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ انشاءاللہ دنیا و آخرت میں حقیقی خوشیاں آپ کا مقدر بن جائیں گیں۔ قرآن مجید کی چند چیزوں کی غلط سمجھ کی بنیاد پر اس میں موجود بے شمار نا قابل تردید یقینی دلائل کو نظرانداز کردینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔

باب۵

اللہ کی نشانیاں۔آفاقِ عالم میں

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس کی توفیق سے ہم نے باب۔۱ میں اپنے آپ کو پہچانا، باب۔۲ میں آیاتِ الٰہی اور جدید سائنس کے تقابل سے قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے پر یقین حاصل کیا۔ پھر باب۔۳ میں قرآنی پیشین گوئیوں کے حرف بحرف پورا ہونے کی صداقت سے اللہ و رسول ﷺ اور کتاب الٰہی پر پختہ یقین حاصل کیا۔ مذکورہ ایمان و یقین کے علمی خزانے کو سمیٹنے کے بعد اب ہم اللہ ﷻ کی مدد اور اس کی توفیق سے آفاقِ عالم میں پائی جانے والی قدرت کی عظیم نشانیوں کو دیکھتے ہیں تاکہ ہمارے لئے حق کی پہچان کا رستہ مزید آسان ہو جائے اور ہمیں ایمان کی ایسی پختگی حاصل ہو جائے کہ زمانے کے حوادث اسے متزلزل نہ کر سکیں۔

نوٹ: اس باب میں قرآنی آیات اس تناظر میں پیش کی جائیں گی کہ آپ قرآن مجید کو الہامی کتاب تسلیم کر چکے ہیں، پھر بھی اگر کوئی شک ہو تو باب۔۲، اور ۳ پر غور و فکر کریں انشاءاللہ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

بنیادی سوال؟ آفاق عالم میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے حوالے سے جو بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم دنیا میں کچھ کام تو انسان کے ذمے ہیں جیسے زمین میں ہل جوتنا، بیج بونا، پانی لگانا، فصلوں کو کاٹنا، آٹا گوندنا، مکانات تعمیر کرنا، آلات بنانا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ ایسے کام خود بخود نہیں ہوتے بلکہ انہیں کرنا پڑتا ہے، مثال کے طور پر کوئی کہے کہ امریکہ میں ہوائی جھکڑ چلنے سے لوہے وغیرہ کا کچرا اکٹھا ہوا جس سے خود بخود ہوائی جہاز (Boeing) بن گیا ہے، دنیا کا کوئی انسان اسے تسلیم نہیں کرے گا

بلکہ ایسا دعویٰ کرنے والے کو لوگ کہیں گے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ یا کوئی کہے کہ فلاں مکان یا پلازہ خود بخود تعمیر ہو گیا ہے، کیا اس بات کو تسلیم کیا جائے گا؟ یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز، کاغذ، قلم وغیرہ کے خود بخود بننے کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا کیوں کہ ان چیزوں کو کبھی ہم نے خود بخود بنتے نہیں دیکھا۔

توجہ طلب بات! یہ ہے کہ انسان کا پیدا ہونا، درختوں کا اگنا، ان پر خوش ذائقہ پھلوں کا لگ کر پکنا، خوبصورت پھولوں کا پیدا ہونا، مختلف اقسام کے جانوروں کا پیدا ہونا، سورج اور چاند کا مقررہ اوقات پر چڑھنا، ڈوبنا، دن رات کا بدل بدل کر آنا جانا وغیرہ، کیا کاغذ، قلم وغیرہ سے بھی گئے گزرے کام ہیں جن کے متعلق ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ قدرتی عوامل ہیں جو خود بخود ہو رہے ہیں اور ان پر غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر ہم ان چیزوں پر غور و فکر کریں تو یقیناً ان چیزوں کے تخلیق کرنے والے تک پہنچ جائیں۔ اسی لئے خالق کائنات نے انسان کو کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَاب، الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران:3، آیت: 191-190)

ترجمہ: ''یقیناً آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور رات و دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے''

آفاق عالم میں موجود اللہ کی بے شمار نشانیوں میں سے چند مزید نشانیاں دیکھنے کے لئے آئیں اللہ تعالیٰ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے چند چیزوں کے کچھ پہلوؤں پر تفکر کریں تاکہ اپنے خالق تک پہنچ جائیں۔

اللہ کے ہونے کا بڑا ثبوت: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہونے کا بہت بڑا ثبوت اس کی وہ مخلوق ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ پوری کائنات مخلوق ہے یعنی یہ تخلیق ہے خالق نہیں، اگر ہم کائنات کو مخلوق تسلیم کرتے

ہیں تو لازماً اس کا کوئی خالق بھی ہوگا۔ مخلوق کو تسلیم کرنا اس کے وجود کی گواہی دینا، لیکن خالق کو تسلیم نہ کرنا بالکل بے معنی بات ہے، گویا خالق کے وجود کا انکار دراصل مخلوق کے وجود کا انکار ہے۔ مثال کے طور پر کوئی بادشاہی مسجد کے لاہور میں موجود ہونے کو تو تسلیم کرے لیکن اس کے معمار کو تسلیم نہ کرے اور کہے کہ یہ فلاں تاریخ کو خود بخود بن کر کھڑی ہوگئی، کیا لوگ اس بات کو تسلیم کریں گے؟ ہرگز نہیں تو پھر کائنات کا وجود اس میں موجود نظم وضبط اور اس کی اتھاہ معنویت کی اسکے سوا اور کوئی توجیہ ممکن نہیں کہ اسے کسی نے بنایا ہے جسکی طاقت وقدرت لامحدود ہے، جس کا احاطہ انسان کی سوچ نہیں کرسکتی۔

کائنات کا تعارف

اب ہم کائنات اور اسکی کچھ مخلوقات کا اختصار کے ساتھ اسکے چند اہم پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ ہم اپنے پروردگار کو پہچان کر اس کے مطیع وفرمانبردار بن سکیں۔

کائنات کی ابتداء:

کائنات کی ابتداء کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ لگ بھگ 13.7 ارب سال پہلے غیر معمولی عظیم دھما کہ (Big Bang) ہوا جس کے نتیجے میں کثیر تعداد میں کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں۔ اس عظیم دھماکے کی دریافت کی ابتداء 1929ء میں امریکہ کے ہبل نامی سائنسدان سے ہوئی جس نے دوربین کے ذریعے دیکھا کہ کہکشائیں ایک دوسرے سے دور حرکت کررہی ہیں۔ پھر 1960 میں رابرٹ ولسن نے اس نظریے کی مخصوص شعاؤں (Microwave Background) سے تصدیق کی اس کے بعد 1990ء میں مختلف ذرائع سے دو بارہ تصدیق کی گئی۔ ماہرین کونیات (Cosmologists) کا کہنا ہے کہ جب وقت کا ابھی آغاز نہیں ہوا تھا (At t= 0) اس وقت یہ پوری کائنات ایسے چھوٹے سے ریاضیاتی نکتے کی طرح تھی جس کا حجم صفر تھا لیکن اس کی کثافت (Density) لامحدود تھی، دھماکے کے بعد جیسے جیسے وقت بڑھتا گیا (t=0,1,2,3,4,5,6.... sec) یہ نکتہ پھیلتا گیا جس سے بالآخر پوری کائنات وجود میں آگئی۔ اسطرح یوں لگتا ہے کائنات کو ایک ناچیز سے وجود میں لایا گیا

ہے (Universe created from nothing)۔سائنسی اصولوں کے تحت دھماکے کے بعد ان گنت سیارے آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جانے چاہیئے تھے کیونکہ دھماکوں کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے نہ کہ نظم و تنظیم۔ لیکن ایسا نہ ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ کوئی بیرونی قوت ان پر کارفرما تھی جس نے ایسے نہ ہونے دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنا بڑا مقصدیت اور معنویت وحکمت پرمبنی واقعہ جو کائنات کی تخلیق کی وجہ بنا وہ بغیر کسی کے کیے خود بخود ہو گیا ہے؟ نہیں بلکہ اس واقعے کو عملی جامہ پہنانے والے نے یہ خبر دی ہے کہ:

﴿اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾

(سورۃ الانبیاء :21،آیت:30)

ترجمہ:''کیا وہ لوگ جنہوں نے (حق تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا ہے، اُنہوں نے غور نہ کیا کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا''

اگرچہ بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ سائنس کی بنیاد پر خدا کا اقرار یا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن عظیم دھماکے کی دریافت میں پائے جانے والے مضبوط (Solid) سائنسی حقائق کی بناء پر بہت سے سائنسدانوں نے خالق کی موجودگی کی گواہی دی ہے جیسے:

<u>آئن سٹائن:</u> یہ اعتراف کیا کہ میں حساب کتاب (Calculation) کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے (یعنی یہ تخلیق کی گئی ہے یا آغاز رکھتی ہے) لیکن اس وقت چونکہ ساکن کائنات کا نظریہ (Static Universe Model) رائج تھا اس لئے میں نے اپنی دریافت کو خفیہ ہی رکھا جو کہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

عظیم دھماکے کی دریافت کے بعد نیوز ویک میگزین اس ٹائٹل سے نکالا گیا ''سائنس نے خدا پالیا (Science finds God).

(Allah & Creation of Universe, Harun - Yahya)

ہیوج راس(Hug Russ): یہ امریکن ماہر آسٹروفزکس تھا۔اس نے بگ بینگ کوصدی کی سب سے بڑی دریافت قرار دیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ کائنات کو اُس خالق نے ''لا شے سے تخلیق کیا ہے جو وقت اور زمانے کی قید سے بالاتر ہے۔ **(The creator & the cosmos)**

جارج گرین سٹائن: اس امریکی فلاسفر نے اپنی کتاب ''Symbolic Universe'' میں اس حقیقت کا برملا اعتراف یوں کیا: ''نہ چاہتے ہوئے بھی آج ہمیں سائنسی انکشافات نے یہ بات ماننے پر مجبور کر دیا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا ایک ''Supreme Being'' ہے جو زمان ومکان سے آزاد ہے،جس پر کوئی حوادث نہیں آتے''

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس دھماکے کے بعد کائنات کی تشکیل کے لئے اتنا توازن (Balance) درکار تھا جسطرح ایک پنسل نوک کے بل ایک ارب سال کھڑی رہے جو کہ ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل دنیا کے ذہین ترین سائنسدان بہت طاقتور خالق پر یقین رکھتے تھے۔

Einstein, Newton, Faraday, Kepler, George F. Ellis,
Alan Sandage, Michall Behe, Paul Deries, Ranger
Pen rose, etc.

نوٹ: یہ نام محض علمی اضافے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔خدا کی تصدیق کا ہرگز ان پر انحصار نہیں۔

کائنات کی وسعت(Size of Universe)

یہ کائنات جس میں ہم زندگی کے شب وروز گزار رہے ہیں فلکیات کے مطالعہ سے اسکی وسعتوں کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ انسان کو حیران وششدر کر دیتا ہے۔ماہرین فلکیات کے اندازے کے مطابق کائنات کے نظر آنے والے حصے(Visible Universe) میں 300ارب سے زائد کہکشاؤں (Glaxies) کا اندازہ لگایا گیا ہے جبکہ نظر آنے والی کائنات کل(Overall) کائنات کا چھوٹا سا حصہ ہے۔ یہ کہکشاں آسمان پر چمکتے ہوئے کسی ستارے کا نام نہیں بلکہ کہکشاں بذات خود اتنی بڑی ہے کہ اس میں

250ارب سے زائدستاروں (Stars) کا اندازہ لگایا گیا ہے۔علمائے فلکیات نے بات کوعام فہم کرنے کے لئےتمثیلاً یہ بات بیان کی ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے جتنے ذرات ہیں،شاید اسی قدر آسمان میں ستاروں کی تعداد ہے۔

یہ ٹمٹماتے نکتے نہیں!! رات کے وقت آسمان پرنظر آنے والے ٹمٹماتے ستارے کوئی روشنی کے نکتے یا لٹکی ہوئی قندیلیں نہیں (جیسا کہ پہلے لوگوں کا خیال تھا) بلکہ یہ بہت بڑی جسامت رکھتے ہیں۔ان میں کچھ کا سائز سورج کے برابر ہے، کچھ اس سے بڑے اور کچھ چھوٹے ہیں۔ بعض اتنے بڑے ہیں کہ لاکھوں زمینیں ان کے اندر رکھی جاسکتی ہیں۔جیسے ہمارا سورج جو کہ زمین سے 13 لاکھ گنا بڑا ہے۔

کائنات اور ہماری زمین پر بے شمار ''Fine Tunings'' ہیں جن میں تھوڑی سی تبدیلی بھی کائنات اور اس میں موجود زندگی کو ختم کرسکتی ہے۔جیسے ایٹم میں موجود قوتیں،سیاروں میں باہمی کشش، زمین اور سورج کا فاصلہ، زمین کا سورج کے ساتھ زاویہ، گیسوں کا تناسب وغیرہ۔

باہمی فاصلے: ان ستاروں کے باہمی فاصلے اسقدر زیادہ ہیں کہ انسانی ذہن حیرانی و پریشانی میں سوچتا ہی رہ جاتا ہے۔زمین کے سب سے قریب چاند ہے، جوکہ زمین سے 2 لاکھ، 40 ہزار میل دور ہے۔ (سورج بذات خود اتنا بڑا ہے کہ اس کا سائز (قطر) 8 لاکھ، 65 ہزار میل ہے جی ہاں ایسا ہی ہے!!)، ان میں بعض کے باہمی فاصلے ہزاروں اور لاکھوں نوری سالوں میں ہیں جو کہ اور ہی نہ سمجھ آنے والی بات ہے۔ ہماری اپنی کہکشاں جسے ہم رات کو سفید دھاری (Milky way) کی شکل میں دیکھتے ہیں اس کا سائز ایک لاکھ نوری سال ہے۔یادرہے کہ ایک نوری سال کا مطلب ہے روشنی جو کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار کلومیٹر فی سیکنڈ سے حرکت کرتی ہے وہ ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرے گی وہ ایک نوری سال ہوگا جو کہ 10 ٹریلین کلومیٹر (1.0 Light year = 10 Trillian Km) کے برابر ہے۔پھر یہ کہکشاں ایک اور بڑی کہکشاؤں کے جھرمٹ کا حصہ ہے جس میں اسی طرح کی 17۔کہکشائیں حرکت کررہی ہیں اور پورے مجموعے کا سائز (قطر) 20 لاکھ نوری سال سے زائد ہے۔

مداروں میں حرکت: پھر یہ ستارے اور سیارے ساکن نہیں بلکہ مخصوص مداروں میں اپنے اپنے نظاموں کے ساتھ اپنے محور کے گرد اور دیگر ستاروں کے گرد مسلسل گردش کر رہے ہیں۔ ان کی حرکت حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی سے ہو رہی ہے۔ دوران حرکت بعض اوقات ایک کہکشاں (Galaxy) دوسری کہکشاں کے اندر سے گزر بھی جاتی ہے اس کے باوجود ستاروں کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ہمارے دن اور رات کا بدل بدل کر آنا جانا زمین کی حرکت کی بدولت ہے، چاند کی گردش سے قمری مہینے بنتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک خاص ترتیب (Schedule) کے مطابق چل رہی ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے مئی کا مخصوص دن اور آج کے مئی کے اُسی دن کا سورج کے چڑھنے اور غروب ہونے کا وقت ایک جیسا ہے۔ ان کا حرکت کرنا اور ان میں حیرت انگیز نظم وضبط کا پایا جانا کیا زبان حال سے پکار پکار کر یہ عندیہ (Indication) نہیں دے رہا کہ ان کے پیچھے کوئی لامحدود طاقت کارفرما ہے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہوسکتا ہے؟۔ کاغذ، پنسل کے خود بخود بننے کو تو ہم ماننے کو تیار نہیں، پھر یہاں آ کر ہمیں کیوں دھوکہ لگ جاتا ہے؟ کوئی بھی عقل وشعور رکھنے والا انسان یہ تصور نہیں کرسکتا کہ یہ سب خود بخود ہو رہا ہے۔ ان کو جس نے بنایا ہے اور حرکات کا پابند کیا ہے، وہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ (سورۃ نحل:16، آیت:12)

ترجمہ: ''اور اُس نے پابند کر رکھا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو اور دیگر ستارے بھی پابند ہیں اس کے حکم سے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں''

بگ بینگ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد بڑی تیزی سے تبدیلیاں آئیں، قوانین فطرت وجود میں آئے۔ اس عظیم دھماکے کے 10^{-43} سیکنڈ (ایک سیکنڈ کے ایک ارب حصے کے بھی 10 لاکھویں حصے) بعد تک کی

سائنسی وضاحت تو ہوگئی ہے لیکن (t = 0) سے 10^{-43} کے وقفے کی وضاحت کہ اس میں کیا ہوا ابھی تک ممکن نہیں ہوسکی۔

ہمارا سورج جسے ہم روزانہ دیکھتے ہیں یہ ہماری دودھیا کہکشاں کا ایک ستارہ ہے جو تقریباً 230 کلومیٹر فی سیکنڈ (تقریباً 830,000 کلومیٹر فی گھنٹہ) کی رفتار سے کہکشانی مرکز کے گرد چکر لگا رہا ہے اور یہ ایک چکر تقریباً 22 کروڑ سال میں پورا کر لیتا ہے۔ اس وسیع وعریض کائنات کے سامنے ہماری زمین کی حیثیت ایک نقطے جیسی بھی نہیں تو پھر ہم کس چیز پر تکبر کرتے ہیں۔

یہ کائنات اتنی بڑی ہے کہ روشنی کی طرح تیز اڑنے والا جہاز اگر کائنات کے گرد چکر لگائے تو اُسے کائنات کے گرد پورا چکر لگانے کے لئے تقریباً ایک ارب سال لگ جائیں۔ لیکن کائنات مسلسل پھیل رہی ہے جس کے پھیلنے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہر 130 کروڑ سال کے بعد کائنات کے تمام فاصلے دگنے ہو جاتے ہیں۔ یوں ہمارا خیالی جہاز بھی کائنات کا چکر کبھی پورا نہیں کر سکے گا اور وہ اس بڑھتی ہوئی کائنات کے راستہ میں ہی رہے گا۔ کائنات کے مسلسل پھیلنے کے متعلق ۱۴۰۰ سال پہلے قرآن مجید نے یوں خبر دی:

﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (سورہ الذاریات:51، آیت:47)

ترجمہ: ''اور بنایا ہے آسمان کو ہم نے اپنے زور بازو سے اور ہم اسے وسعت دے رہے ہیں''

ساری کائنات کو یقیناً خالق نے ہی تھاما ہوا ہے

اتنی بڑی کائنات کا تخلیق ہونا، اس کا حرکت پذیر رہتے ہوئے اپنے وجود کو برقرار رکھنا اور قائم ودائم رہنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسے کسی ایسے خالق نے بنایا ہے جس کی صلاحیتوں کا ادراک کرنا انسانی ذہن کے بس کی بات نہیں۔ یوں اس کائنات کی تخلیق اور اس کا قائم رہنا عظیم خالق کی عظم نشانی ہے جس کا اعلان قرآن مجید نے یوں کیا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾(سورہ فاطر:35،آیت:41)

ترجمہ: ''یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت سے ٹل نہ جائیں اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ دیں تو پھر اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس کو تھام نہیں سکتا، یقیناً وہ ہے بڑا حلیم اور درگزر کرنے والا''

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾(روم:30،آیت:25)

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں ہے (یہ حقیقت) کہ قائم ہیں آسمان اور زمین اُسکے حکم سے ،پھر وہ جب تمھیں آواز دے گا تو ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ''

پروفیسر جیمز جینز ورطہ حیرت میں مبتلا!

علامہ عنایت اللہ مشرقی ۱۹۰۹ء میں اتوار کے دن انگلستان میں ہونے والی پروفیسر جیمز جینز سے اپنی ملاقات کی روداد بیان کرتے ہیں جس میں انھوں نے پروفیسر صاحب کو گرجا میں عبادت کے لئے جاتے ہوئے دیکھ کر یہ سوال کیا تھا کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لئے جارہا ہے؟ چنانچہ پروفیسر جیمز نے انھیں اپنے گھر چائے پر مدعو کیا،عنایت اللہ مشرقی فرماتے ہیں:

''چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پہنچا،ٹھیک ۴ بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں سر جیمز تمہارے منتظر ہیں اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی، پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے، کہنے لگے،تمہارا سوال کیا تھا اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں،ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل ﷲ ﷻ کی اس

داستانِ کبریا وجبروت پر دہلنے لگا، اوران کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے، آنکھوں سے حیرت وخشیت کی دو گونہ کیفیتیں عیاں تھیں، اللہ جل جلالہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے، اور آواز لرز رہی تھی، فرمانے لگے ''عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ جل جلالہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے، اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہوکر کہتا ہوں ''تو بہت بڑا ہے'' تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے، مجھے بیحد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے، مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے، کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ گرجے کیوں جاتا ہوں''۔

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا، میں نے کہا ''جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں، اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی اگر اجازت ہو تو پیش کروں، فرمایا ضرور چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:۔

﴿ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ٥ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ٥﴾ (سورہ فاطر: 35، آیت: 27-28)

ترجمہ: ''پہاڑوں میں خطے ہیں، سفید اور سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے اور کالے، اور آدمیوں میں اور کیڑوں اور چوپاؤں میں، اسی طرح رنگ ہیں، اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جو علم رکھتے ہیں''۔

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے:۔

''کیا کہا۔۔ اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں، حیرت انگیز، بہت عجیب، یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، (حضرت) محمد (ﷺ) کو کس نے بتائی، کیا قرآن میں واقعی یہ

آیت موجود ہے، اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے، (جناب) محمد (ﷺ) اُمی تھے، انھیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی، انھیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی، بہت خوب، بہت عجیب۔۔۔۔" (نقوش شخصیات نمبر، صفحات ۹۔۱۲۰۸)

آئیں ہم اس بات پر فخر کریں کہ ہم اتنے عظیم خالق پر ایمان لانے والے ہیں جو بے انتہا وسعتوں والی کائنات کا خالق و مالک اور اسکا نگہبان ہے۔ ان حقائق سے آگاہی پر دل و جان سے اس پروردگار کے ہوجانے کا عہد کریں، اُسکے رستے کو اپنائیں اور اسکی تابعداری میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کریں۔ اللہ جل جلالہ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ہماری زمین

یہ زمین جس کی پشت پر ہمارا مسکن ہے۔ جہاں عموماً اللہ سے غافل ہماری زندگی کے شب و روز بسر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص زمین کا کئی جگہ قرآن مجید میں ذکر کر کے انسان کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ حقائق کو پہچان کر وہ اپنے رب پر پختہ ایمان لے آئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ، وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا﴾ (سورۃ النبا:78 ،آیت 7-6)

ترجمہ: "کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا"؟

آئیں غور و فکر کے ساتھ دیکھیں کہ زمین کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ہماری بالخصوص کس وجہ سے توجہ مبذول کروائی ہے۔

زمین کو فرش بنایا: اللہ تعالیٰ نے سوالیہ انداز میں انسان پر یہ احسان جتلایا ہے کہ کیا تمہارے لئے زمین کو فرش نہیں بنایا گیا؟ یعنی کیا زمین پر تمہارے رہنے کے لئے ضروری موافق حالات نہیں پیدا کئے؟ اگر آپ صرف چند ہی چیزوں پر غور کریں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ: کائنات میں موجود ان گنت ستاروں میں صرف زمین ہی ایسی جگہ ہے جہاں زندگی کے لئے موزوں حالات ہیں مثلاً:

سیاروں پر درجہ حرارت یا تو بہت زیادہ یا بہت کم ہے۔ مثال کے طور پر وینس (Venus) پر درجہ

حرارت 450c° ہے جبکہ جوپیٹر (Jupitor) پر 238c°- جو کہ صدیوں سے برف (Ice) سے ڈھکا ہوا ہے۔ اگر زمین پر بھی یہی صورت حال ہوتی تو کیا ہم زندہ رہ سکتے ؟ کیا زمین پر مناسب درجہ حرارت قائم رکھنے کے لئے اسے سورج سے مطلوبہ فاصلے پر رکھنا ہمارے اختیار میں ہے؟ یا اس میں ہمارا کوئی عمل دخل ہے؟ پھر ہم زمین کو استعمال کرتے ہوئے اللّٰہ ﷻ کو کیوں بھول جاتے ہیں جس نے اسے ہمارے رہنے کے موافق بنایا۔ سورج سے لاکھوں فریکوئنسی کی لہریں نکل رہی ہیں جن میں سے چند ہماری زمین تک پہنچ رہی ہیں۔ اگر ساری زمین تک پہنچ جائیں تو یہاں زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ کیا ان کو روکنے کے لئے رستے میں اوزون (Ozone) کا موٹا غلاف خود بخود بن گیا ہے؟ یا ہمارے ہاتھوں نے اسے بنایا ہے؟۔

زمین کا سائز: زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، کسی بھی چیز کو اٹھا کر چھوڑیں گے تو زمین اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس کی وجہ سے وہ چیز زمین پر گر جاتی ہے۔ زمین جس قوت سے چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اُسے کشش ثقل کہتے ہیں اسے "g" سے ظاہر کرتے ہیں جس کی قیمت ($9.8m/s^2$) ہے۔

اگر زمین کی جسامت موجودہ جسامت سے چھوٹی ہوتی تو کشش ثقل کم ہو جاتی، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ہمارا وزن کم ہو جاتا اور ہم زمین پر چل پھر نہ سکتے، قدم اٹھاتے تو زمین پر لگنے کی بجائے فضا میں ہی معلق ہو جاتے۔ جیسا کہ چاند پر مشاہدہ کیا گیا ہے جس کی جسامت زمین سے کم ہونے کی وجہ سے کشش ثقل کم ہے چنانچہ وہاں چلنا خاصہ دشوار ہے۔ چاند پر پاؤں بمشکل سے ٹکتے ہیں، چیزیں فضا میں لڑکھڑاتی رہتی ہیں۔ اگر زمین کی جسامت چاند سے بھی چھوٹی ہوتی تو کشش ثقل بہت کم ہونے کی وجہ سے ہم زمین پر آبادہی نہ رہ سکتے، اٹھتے تو لامحدود خلا میں یوں غائب ہو جاتے کہ ہمارا سراغ بھی نہ ملتا۔ کشش ثقل کم ہونے کی وجہ سے زمین ہوا کے غلاف جو کہ ہماری زمین کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اسے روک نہ سکتی۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے ہوا فرار ہو جاتی جسکے بعد منٹ دومنٹ میں زندہ اشیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اگر اسکی جسامت بہت بڑی ہوتی تو کشش ثقل بڑھنے کی وجہ سے اشیاء کا وزن دوگنا، چوگنا، کئی گنا ہو جاتا، چنانچہ ہم زمین کے ساتھ چمٹ جاتے اور

حرکت کرنا ناممکن ہو جاتا۔اسی طرح دیگر جانور وغیرہ بھی زمین کے ساتھ چمٹ کر اپنی موت آپ مرجاتے، ہوا کے غلاف کی موٹائی بہت زیادہ ہو جاتی اور وہ زمین کے ساتھ چمٹ جاتا جس کی وجہ سے اشیاء پر فضائی دباؤ کئی گنا بڑھ جاتا جس کے بوجھ تلے تمام مخلوقات مرجاتیں۔

درس عبرت: کیا زمین پر موزوں کشش ثقل برقرار رکھنے میں ہمارے ہاتھوں کا کوئی کمال ہے؟ تو پھر اللہ کے بیش بہا احسانات میں دبا ہوا شخص اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ناشکری اور نافرمانی کرے یہ بڑے دکھ کی بات ہے۔ ان گنت ستاروں میں صرف زمین پر موزوں کشش ثقل کا پیدا ہونا کیا اتفاقاً خود بخود ہو گیا ہے؟ اس کے خود بخود ہونے کے امکانات کتنے فیصد ہیں؟ کیا ہم نے کبھی سوچا!

زمین کی حرکت: زمین اپنے محور کے گرد 24 گھنٹے میں ایک چکر مکمل کرتی ہے اور اس کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ ہے اور یہ گھومتے ہوئے ایک سیکنڈ میں آدھا کلومیٹر طے کرتی ہے۔اگر یہ رفتار کم ہو جائے مثلاً 2 سو میل فی گھنٹہ ہو جائے تو ہمارے دن اور راتیں موجودہ کی نسبت 10 گنا زیادہ لمبے ہو جائیں چنانچہ گرمیوں کا ایک ہی دن تمام نباتات کو جلا دے اور سردیوں کی ایک ہی رات جانداروں کو جما دے۔کیا یہ زمین اتنی کنٹرول اور موزوں رفتار کے ساتھ بغیر کسی کے چلائے خود بخود ہی چلتی جارہی ہے۔؟

زمین کا زاویہ: زمین کا محور سورج کے ساتھ 23 درجے کا زاویہ بنائے ہوئے فضا میں جھکی ہوئی ہے اس زاویہ کا تعلق ہمارے موسموں کے ساتھ ہے۔اگر اس زاویہ میں زیادہ تبدیلی آجائے تو ہمارے موسم زندگی کے لئے موافق نہ رہیں۔اگر یہ خاص زاویہ نہ ہوتا تو قطبین پر برف کے ڈھیر رہتے جو کہ فصلوں سمیت زندگی کا خاتمہ کر دیتے۔اس زاویہ پر اتنی بڑی زمین کو فضا میں قائم رکھنا جبکہ وہ بہت تیزی سے حرکت بھی کر رہی ہو کیا کسی مخلوق کے بس کی بات ہے؟ یا ایسا خود بخود ممکن ہو گیا ہے؟

شہاب ثاقب: کائنات میں موجود ان گنت شہاب ثاقب (بڑے بڑے پتھر) جو ہر روز اوسطاً دو کروڑ کی تعداد میں اوپری فضا میں داخل ہوتے ہیں ۔ جورات کے وقت ہمیں انگاروں کی طرح جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ خاص قانون کے تحت زمین پر گرنے سے روکتا ہے اگر یہ زمین پر

گرتے تو اسے چھلنی کر دیتے۔ان سے ہماری حفاظت کون کرتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾(الملک:67،آیت:17)

ترجمہ: ''یا کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟

اگر یہ پتھر زمین تک پہنچ جائیں تو کیا ہمارے اندر ان کو روکنے کی طاقت ہے؟ تو پھر ہم اللہ ﷻ کو کیوں بھول چکے ہیں؟

دیگر موزوں حالات: یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ انسان نے پیدا ہو کر جس زمین پر آنکھ کھولنی تھی وہاں اسکی تمام ضروریات زندگی، پانی، ہوا، موافق موسم، طرح طرح کا رزق، پھل کیا یہ اتفاقاً موجود ہو جانے تھے؟۔انسان کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن (O_2) کی ضرورت تھی جبکہ پودوں کی زندگی کے لیے کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2) ضروری تھی۔پودے ٹنوں کے حساب سے آکسیجن بنا بنا کر فضا میں داخل کرتے جا رہے ہیں تاکہ انسان زندہ رہ سکے اور انسان اور دیگر جانور CO_2 خارج کر رہے ہیں تاکہ پودوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔اسی طرح تمام ضرورت کی چیزیں؛ لوہا، پیتل، تانبا، چاندی، سونا لکڑی، پھل، اناج، پانی.... وغیرہ زمین پر مہیا کر دی گئیں۔ایسے کام بغیر کسی ڈیزائنر (Designer) کے اپنے آپ ہو سکتے ہیں؟ کیا سائنس کے لیے ان چیزوں کے خود بخود ہونے کی توجیہ بیان کرنا ممکن ہے؟

کیا یہ حقیقت نہیں؟

کائنات کی وسعتوں اور اس میں موجود نظم وضبط اور حکمت ومعنویت کے متعلق جو چیزیں آپ نے ملاحظہ کیں یہ کوئی ناول یا بے بنیاد فرضی قصے نہیں بلکہ یہ حقائق ہیں جن میں بہت سارے تو روزمرہ کی زندگی میں آپکے مشاہدے میں ہیں۔تو کیا اتنے واضح حقائق دیکھ کر بھی اللہ ﷻ کے بارے میں غافل رہیں گے؟ حقائق آشکار ہونے کے بعد ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ماضی میں جو ہو گیا اس پر اللہ ﷻ سے معافی مانگتے ہوئے زندگی کو ازسرنو صداقت کے رستے پر متعین کرنے کا عزم کریں۔

انتہائی چھوٹی دنیائیں۔اللہ کی عظیم نشانی

جونظم وضبط بڑی بڑی دنیاؤں میں نظر آتا ہے وہی انتہائی چھوٹی دنیاؤں میں بھی نظر آتا ہے۔ اشیاء چھوٹے چھوٹے ذرات سے مل کر بنی ہیں جنہیں ایٹم کہتے ہیں۔ایٹم اتنا چھوٹا ہے کہ سوئی کی نوک پر لاکھوں ایٹم آجاتے ہیں اور ابھی تک انسان طاقتور آلات کی مدد سے بھی اسے دیکھ نہیں پایا۔کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے چھوٹی دنیا ہے۔بصارت کے اعتبار سے یہ ایک لا شے ہے لیکن ہمارے نظام شمسی کی طرح حیرت انگیز طور پر اس میں بہت پیچیدہ گردشی نظام موجود ہے۔اس میں دریافت ہونے والے الیکٹران مخصوص مداروں میں مرکز کے گرد گردش کرتے ہیں۔اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود ایٹم کو بڑے سکیل پر کیا جائے تو الیکٹران اور مرکزہ کے درمیان بہت فاصلہ نظر آتا ہے۔مرکزہ کے اندر پروٹان نیوٹران کے علاوہ اور بھی کئی ذرات دریافت ہو چکے ہیں جو کہ ساتھ جڑے ہوئے نہیں بلکہ دور دور ہیں۔ایٹم میں پائے جانے والے مربوط نظام میں اگر خلل آجائے،الیکٹران مرکزہ میں گر جائیں تو ہر ایٹم کی تباہی ہونے سے پوری کائنات تباہ ہو جائے۔

باعثِ حیرت:

باعثِ حیرت ہے یہ بات کہ کس نے اتنے انتہائی چھوٹے پیمانے پر چیزوں کو بنایا اور ذرات کو حرکت دی اور مربوط نظاموں کے تحت انہیں چلایا۔کیا یہ انسان نے کیا ہے جو ابھی تک اس بنے ہوئے ایٹم کو ٹھیک طرح سے دیکھ بھی نہیں سکا؟ ایٹم پر غور وفکر انسان کو ورطہء حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ کون ہے جو پوری کائنات کے اتنے چھوٹے ذرات تک کو بھی ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

پودے اللہ جل جلالہ کی بہت بڑی نشانی

پودے اس وسیع وعریض کائنات میں موجود اللہ جل جلالہ کی بے شمار نشانیوں میں سے بہت بڑی اور واضح نشانی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ بطور دلیل بیان کیا ہے۔جیسے ایک جگہ یوں غور وفکر کی دعوت دی۔

﴿ يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّيۡتُوۡنَ وَ النَّخِيۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ﴾ (النحل۔16۔آیت۔11)

ترجمہ: ''اسی (بارش کے پانی) سے وہ تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگو اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بےشک اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں''

چونکہ اللہ تعالی نے پودوں کو اپنی نشانی قرار دیا ہے اور غور و فکر کی دعوت دی ہے اس لیے پودے کوئی معمولی چیز نہیں جیسے عام طور پر ہم سمجھتے ہیں۔ آیئے اسکے چند پہلوؤں پر غور و فکر کریں۔ اس نشانی کا سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ ہر طرف موجود ہیں، گھر ہو، دفتر ہو یا میدان یہ نشانی ہر جگہ موجود ہے۔ اگر یہ نشانی سمجھ آ گئی تو اللہ کی یاد اکثر اوقات آتی رہے گی پودوں کو دیکھنے کی وجہ سے۔

مثال:۔ پودوں میں غور و فکر سے اللہ جل جلالہ تک پہنچنے کے لیے پہلے ایک بنیادی قانون و قاعدے کو ایک عام فہم مثال سے سمجھ لیں۔ چیزوں کے ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہونے کی کئی مثالیں آپ نے دیکھی ہوں گی جیسے گنا بیلنے میں ڈالنے سے اسکا رس حاصل ہوتا ہے، گنے کا رس مشینوں سے گزرنے کے بعد چینی میں تبدیل ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسے درج زیل شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یعنی مشین میں کوئی چیز داخل کی گئی جیسے گنے کا رس، مشین نے اس پر کوئی عمل کیا اور اس نے اسے حاصل (Output) میں تبدیل کر دیا۔ جیسے چینی۔ اس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم درختوں کے متعلق سوچتے ہیں۔ پودے پیدا ہونے کے عمل میں:

داخل (Input) = سیاہ مٹی، پانی، ہوا روشنی اور کھاد وغیرہ

حاصل (Output) = پودے (لکڑی، پتے، پھل، بیج)

اب ہم حاصل (Output) پر غور کرتے ہیں۔

(i) پودوں کی لکڑی پر غور کریں۔ بعض دیو ہیکل پودوں میں ٹنوں کے حساب سے لکڑی ہوتی ہے، میٹروں میں تنے کا قطر ہوتا ہے۔ لکڑی کا یہ مادہ (Material) نہ تو زمین میں موجود تھا، نہ فضا میں، نہ ہی زمین کی مٹی لکڑی میں تبدیل ہوتی ہے کیونکہ اگر پودے مٹی کھاتے تو زمین ختم ہو چکی ہوتی تو پھر لکڑی کہاں سے آ گئی؟۔

(ii) پتوں کی ساخت ان کا سرسبز و شاداب مادہ (Material)، پتوں کا رنگ، پتوں کے کثیر تعداد میں مختلف ڈیزائن اور پھر ایک پودے کے تمام پتوں کا ایک جیسا نکلنا، پھر پتوں کا مادہ (Material) ایسا ہے کہ وقت کے ساتھ گل سڑ کر زمین کا حصہ بن جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا اور پتے اپنا وجود برقرار رکھتے تو پوری دنیا اب تک پتوں میں ڈوب چکی ہوتی۔ یہ سارے کام کیا بغیر کسی کے ڈیزائن کیے ہوئے خود بخود ہو گئے ہیں؟

(iii) مٹی سے پیدا ہونے والے پھولوں پر غور کریں۔ ان کے خوبصورت طرح طرح کے رنگ جیسے سفید، سرخ، نیلا، پیلا، گلابی، آسمانی، زرد پھر ایک ایک پتی میں کئی کئی رنگوں کے ڈیزائن، پھولوں میں حیرت انگیز طریقے سے پتیوں کا جڑاؤ، پھر پھولوں کی خوشبو، یہ کہاں سے آئی ہیں، کیا یہ خود بخود بنتی جا رہی ہیں۔

(iv) درخت کی ٹہنیوں پر برابر فاصلوں پر نئی شاخوں اور نئے پتوں کا نکلنا جیسے کسی نے پیمانے (Foot) سے ماپ کر انہیں نکالا ہو۔ کیا یہ کافی ثبوت نہیں کہ انہیں کسی نے ڈیزائن کیا ہے؟

(v) ہر درخت کے پتوں، پھلوں اور ٹہنیوں کا اپنے اپنے ڈیزائن کے مطابق مخصوص سائز تک پرورش پا کر رک جانا کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں کہ انہیں کسی نے پوری طرح آگاہ کیا ہوا ہے ورنہ پتوں اور پھلوں کا سائز بڑھتا ہی جاتا۔ اگلا سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جس کی بات پودے بھی سمجھتے ہیں؟ کیا ہم نے انہیں بتلایا ہے؟۔

(vi) پھلوں کی شکل وصورت پرغور کریں۔ضرورت کے تحت پھلوں کے باہر غلاف (چھلکا) چڑھایا گیا ہے،سنگترے کا چھلکا اسکی ضرورت کے مطابق،تربوز کا اسکے مطابق، کیلے کا،سیب کا، ناشپاتی کا، اخروٹ، بادام کا وغیرہ وغیرہ۔پھر پھلوں کے مادے پرغور کریں،کون سی چیز پھل میں تبدیل ہوگئی ہے۔پھلوں کے ذائقے دیکھیں، کیلے کا،سیب کا،انار،تربوز کا،آم کتنے خوش ذائقہ ہیں،ان کے گودے کی پیلا ہٹ اور خوشبو پرغور کریں۔ پھر ایک ہی زمین سے کڑوی مرچیں نکل رہی ہیں، اُسی جگہ سے میٹھا آم نکل رہا ہے۔کیا یہ سب اللہ ﷻ کی قدرت کی عظیم نشانیاں نہیں؟

(vii) کیا پھل کے نرم گودے میں سخت بیجوں کی موجودگی سے بھی ہمیں خالق کا پتہ نہیں چل رہا؟

(viii) پودوں پر لگنے والے پھل جیسے گندم، چاول، دالیں، سبزیاں، فروٹ وغیرہ کیا اتفاقی طور پر ہمارے جسم کے موافق (Compatible) پیدا ہوگئے ہیں؟

(ix) پتوں اور پھلوں کے وزن کے مطابق شاخوں اور ٹہنیوں کو مضبوطی دی ہے،شروع میں ٹہنی موٹی ہوتی ہے اور آگے جاتے ہوئے باریک ہوتی جاتی ہے تاکہ اپنا اور پتوں کا وزن سہار سکے۔کیا درخت سے نکلنے والا مادہ خود بخود اس شکل میں تبدیل ہوتا جاتا ہے؟ کیا طرح طرح کے پھلوں کو کھاتے ہوئے ہم نے کبھی سوچا کہ یہ کس نے بنائے ہیں ہمارے لئے،اور پھلوں کو کھاتے ہوئے اُس کا شکرادا کیا؟ ہر پتے کے اندر بہت بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں جو روشنی کو مادے میں تبدیل کرتی ہیں ہوا، پانی،مٹی کی موجودگی میں خوراک بناتی ہیں۔

(x) پتوں میں موسمی حالات (Environmental conditions) کو برداشت کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت پائی جاتی ہے۔انہیں ڈیزائن کرتے ہوئے اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے کہ بارش کا پانی ان پر جمع ہونے کی بجائے زمین پر گرتا جائے۔بالخصوص بڑی جسامت کے پتوں پر اگر پانی ٹھرتا تو ایک ہی بارش ایسے تمام پتوں کو توڑنے کا باعث بن جاتی جس کی وجہ سے ہم بہت سے درختوں سے محروم ہو جاتے۔اسی طرح ان کی ساخت ہوا کے بہاؤ کو برداشت کرنے

کے موافق بنائی گئی ہے۔صحرائی علاقے میں موجود پودوں کے پتے اور پھل وغیرہ اس شدید موسم کے موافق ہوتے ہیں تا کہ پانی کی قلت کو برداشت کرسکیں۔ ان پتوں نے درخت کی لکڑی سے نکل جس ماحول میں آنکھ کھولنی تھی ان کے موافق حیرت انگیز طور پر مطلوبہ صلاحیتیں ان میں کیا خود بخود پیدا ہوجانی تھیں؟ کیا ہم نے ایسی اہم معلومات پودوں تک پہنچائی ہیں یا پودے بیرونی ماحول سے واقفیت رکھتے ہیں؟ کیا ایسے یقینی حقائق دیکھ کر بھی ہم اپنے خالق کو نہیں پہچانیں گے۔

(xi) مجموعی طور پر ہر پودے کو جدا جدا شکل دی ہے، دور سے دیکھنے پر اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ پودا آم کا ہے، سنگترے کا ہے یا سرو وغیرہ کا۔

لازمی نتیجہ: ان چند پہلوؤں پر غوروفکر سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کو کسی نے ڈیزائن کیا ہے۔کسی فیکٹری سے خاص ڈیزائن کی چیزوں کا بن بن کر باہر نکلتے آنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ چیزیں خودبخود بنتی جارہی ہیں۔نباتیات نے یہ بات بھی دریافت کی ہے کہ بیج میں اتنا (Data) ہوتا ہے کہ جس سے لاکھوں صفحات بھر جائیں۔بیج میں پودے کا سائز، اونچائی، موٹائی، پتوں کی تعداد، ان کی جگہ، رنگ، شاخوں کی تفصیلات ، خوشبو، پھلوں کی تفصیلات سمیت بیش بہا معلومات سموئی ہوتی ہیں، کیا یہ خودبخود بیج میں لکھی گئی ہیں۔بیج میں موجود Data کا ثبوت موجودہ تحقیق سے بھی ہوگیا ہے جس میں بیج پر اللہ ﷻ کی پیدا کی ہوئی لہریں (Radiations) ڈالنے سے اس کی اقسام کا تبدیل ہونا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ گنے کا رس خودبخود چینی میں تبدیل ہوگیا ہے تو یہ آسان سی بات تو ہم تسلیم نہ کریں لیکن پودوں کی مذکورہ خصوصیات کے ساتھ تشکیل پر توجہ نہ دیں۔اگر ہمارا خیال ہے کہ یہ خودبخود ہورہا ہے تو ہم دعوت دیتے ہیں پوری دنیا کو کہ ایک گندم یا کوئی اور بیج بنائیں جو اُگ سکے، اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر اس اللہ ﷻ پر ایمان لے آئیں جس نے طرح طرح کے بیش بہا پھل ہمارے لیے پیدا فرمائے۔اپنی اس عظیم نعمت اور نشانی کا تذکرہ پروردگار نے یوں کیا۔

﴿وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡہُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِہَا قِنۡوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُشۡتَبِہًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ یَنۡعِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴾(سورہ انعام:6،آیت:99)

ترجمہ: ''اور وہی ہے(اللہ) جس نے برسایا آسمان سے پانی، پھر اگائے اسکے ذریعے سے ہم نے نباتات ہر قسم کے، پھر پیدا کیے ہم نے اس سے سرسبز کھیت، نکالتے ہیں ہم اس میں سے دانے تہ بہ تہ اور کھجور کے درخت میں سے اس کے خوشوں کے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور باغات انگور کے اور زیتون کے اور انار کے، ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور خصوصیات میں جدا جدا۔ غور سے دیکھو اسکے پھل کو جب وہ پھل لائے اور اسکے پکنے کی کیفیت کو (یعنی کچا کڑوا پھل کس طرح خوش ذائقہ مٹھاس میں تبدیل ہو جاتا ہے) بے شک ان چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھنے والے ہیں''۔

مذکورہ آیت کریمہ میں خالق نے عقل والوں کے لیے بہت کچھ بیان کر دیا ہے۔ کیا تمام جن وانس مل کر ایک بیج پیدا کر سکتے ہیں جس سے پودا اُگ سکے؟ اگر نہیں کر سکتے تو پھر اس بات کو تسلیم کر لیں کہ یہ چیزیں کسی مافوق ہستی کی بنائی ہوئی ہیں۔

شرک کرنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ! شرک کرنے والوں کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا گیا ہے اور حقائق سے نا آشنائی ہی شرک کے ارتکاب کا بنیادی ذریعہ ہے۔ آج کی طرح سابقہ اقوام کے لوگ بھی اللہ جل جلالہ کے ان کاموں، درختوں، پودوں کے اگانے وغیرہ میں دوسرے لوگوں کو شریک بناتے تھے۔ اللہ تعالی نے ان لوگوں کو اس ظلم عظیم سے بچانے کے لیے پودوں کو اپنی دلیل بنا کر اس جرم سے منع کیا، ارشار ہوا ہے۔

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ﴾ (سورۃ نمل:27،آیت:60)

ترجمہ: ''بھلا وہ کون ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور برسایا تمہارے لیے آسمان سے پانی؟ پھر اگائے ہم ہی نے اس کے ذریعے سے باغات رونق والے، نہ تھا تمہارے بس میں کہ اگا سکتے تم ان میں درخت، کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ شریک ان کاموں میں؟ نہیں بلکہ (ایسا عقیدہ رکھنے والے) وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں''۔

دودھ میں ہمارے لیے درسِ عبرت

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے دودھ کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے نشانی کی بجائے لوگوں کے لیے عبرت کا لفظ استعمال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دودھ کا پیدا ہونا بہت غیر معمولی کام ہے اور یہ خالق کی خالقیت کی بہت بڑی دلیل ہے جس پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ (النحل:16،آیت:66)

ترجمہ: ''اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں ایک عبرت ہے (غور کرو) ہم پلاتے ہیں تمہیں جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے''۔

قابل غور: اس آیت کریمہ کو سمجھنے کے لیے پیچھے پودوں کے ضمن میں بیان کردہ مثال ذہن میں رکھیں کہ دودھ ایک حاصل (Output) ہے، بھینس ایک مشین ہے اور داخل (Input)، سبز چارہ، دیگر خوراک اور پانی ہے، پھر غور کریں کہ:۔

۱۔ کیا گھاس پھوس اور پانی سے مطلوبہ دودھ تیار کیا جاسکتا ہے؟

۲۔ جب بھینس کے جسم میں جانے والا چارہ، خون، گوشت، گوبر اور پانی وغیرہ میں تبدیل ہوجاتا ہے تو یہ خون، گوشت اور گوبر وغیرہ دودھ میں کیسے تبدیل ہوجاتا ہے؟

۳۔ خون اور گوشت میں آخر وہ کون سے نایاب فلٹرز (Filters) ہیں جو دودھ کو اسطرح علیحدہ کرتے ہیں کہ دودھ میں خون، گوشت، گوبر وغیرہ کی ذرہ بھر آلائشیں نہیں ہوتیں۔

۴۔ کیا سرخ خون، گوشت اور سیاہ گوبر سے حاصل ہونے والا خوش ذائقہ اور مکمل سفید دودھ زبان حال سے اپنے خالق کے ہونے کا پتہ نہیں دے رہا؟

آئیں اللہ کی اس عظیم نعمت اور نشانی کو شب و روز استعمال کرتے ہوئے کبھی اسکو بھی یاد کریں جس نے ہمارے فائدے کی خاطر جانوروں کے جسموں میں دودھ پیدا کیا۔

غیر مذاہب کا اعتراض: بعض غیر مذاہب نے اس آیت کریمہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ دودھ تو مخصوص غدودوں میں بنتا ہے جبکہ یہاں پیٹ کا ذکر ہے اس لیے قرآن اللہ ﷻ کا کلام نہیں۔

جواب: اس بات کی تصدیق ہوچکی ہے کہ جانور جو غذا کھاتے ہیں وہ معدے اور آنتوں میں ہضم ہوتی ہے۔ ہضم ہونے کا مطلب ہے وہ جزوبدن بن جائے یعنی خون میں شامل ہوکر جسم کے تمام اعضاء تک پہنچ جائے۔ خون غذائی اجزاء کے تمام اعضاء اور خلیوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ چونکہ غذا ہی دودھ میں تبدیل ہوئی ہے۔ جزوبدن بننے والی غذا کا وہ حصہ جس سے دودھ بننا تھا اسے خون نے دودھ بنانے والے غدودوں تک پہنچایا ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہے۔ مزید یہ کہ دوران خون کا عمل نزول قرآن کے 600 سال بعد ابن نفیس نے دریافت کیا اور اس کے 400ء سال بعد ولیم ہاروے کے ذریعے یہ بات اہل مغرب تک پہنچی۔ یوں مغربی دنیا کو جس بات کا علم نزول قرآن کے 1000 سال بعد ہوا ان حقائق کا 1000 سال پہلے بیان ہونا تو خود قرآن کی صداقت کا واضح ثبوت ہے۔ قرآن مجید کے بڑے بڑے حقائق کو نظر انداز کر دینا اور چھوٹی سی بات پر بغیر سوچے سمجھے قرآن کو باطل قرار دے دینا

انصاف کے منافی ہے۔

انڈہ اللہ ﷻ کی واضح نشانی

یوں تو جس چیز پر سوچیں وہ کائنات کے خالق تک لے جاتی ہے لیکن انڈہ ان چند نشانیوں میں سے ایک ہے جو اللہ ﷻ کی کھلی نشانیاں ہیں۔ وہ انڈے جنہیں ہم شب وروز کھاتے ہیں اور معمولی سی چیز سمجھتے ہیں اس پر غور وفکر کریں کہ:۔

۱۔ کس طرح مرغی کے پیٹ میں موجود خون اور گوشت انڈے میں تبدیل ہو گیا۔ کیا خود بخود گوشت اور خون نے انڈے کی صورت اختیار کر لی؟

۲۔ انڈے کے سخت بیرونی خول پر غور کریں اسکی صورت (Shape)، اسکی ایک جیسی (Uniform) موٹائی (Thickness) تو شاید مذکورہ صورت میں جدید مشینوں میں بھی بنانا آسان نہ ہو بلکہ قطعاً ناممکن ہے اس لیے کہ بیرونی صورت اگر بن بھی گئی تو بغیر جوڑ اندر سے کیسے خالی کریں گے؟

۳۔ بیرونی خول کے سفید رنگ، اسکے مادے (Material) اور خول کے بعد انتہائی باریک اور مضبوط جھلی پر غور کریں وہ بند خول کے اندر کیسے بن گئی؟ یہ کام تو یقیناً ساری مخلوقات نہیں کرسکتیں۔

۴۔ پھر انڈے کے اندر جو کچھ بنا دیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے؟ اسکی تفصیلات بیان کی جائیں تو کتابیں بھر جائیں۔

انڈے سے چوزے کا پیدا ہونا:

چلیں انڈے کو تو ہم ایک معمولی سی چیز سمجھتے ہیں لیکن اس انڈے سے چوزے کا بن جانا تو کوئی معمولی کام نہیں۔ غور کریں کہ انڈے میں موجود مادہ جسے ہم کھاتے ہیں کچھ دن مرغی کے نیچے رہنے پر تبدیل ہو گیا ہے ایک مکمل چوزے میں:

۱۔ کیا چوزے کی چونچ انڈے کے پانی میں موجود تھی؟ وہ کہاں سے آئی ؟ کیا انڈے کے مادے نے خود بخود چونچ کی صورت اختیار کر لی ہے؟

۲۔ چوزے کی انتہائی پیچیدہ آنکھیں جن میں بصارت کی صلاحیت ہے، آنکھوں کا عدسہ اور آنکھوں کے دیگر نظام اس پانی میں موجود تھے؟۔

۳۔ چوزے کی ناک، کان، دل، دماغ، معدہ جگر، آنتیں اور دیگر انتہائی جدید اور پیچیدہ نظام انڈے کے پانی میں موجود تھے۔ یہ کیسے خود بخود بن گئے؟ کیا ہم اس پانی سے یہ چیزیں بنا سکتے ہیں؟

۴۔ چوزے کے گوشت پر خوبصورت رنگ برنگے روئی کی طرح نرم نرم بال کہاں سے آئے ہیں؟ چوزے کی ٹانگیں پاؤں، ناخن وغیرہ کس نے بنا دیئے ہیں؟ پھر یہ چوزہ کوئی بے جان ماڈل نہیں بلکہ! یہ دیکھتا ہے، سنتا ہے، محسوس کرتا ہے، چلتا ہے، سونگھتا ہے اور اس میں اپنی نسل کو آگے بڑھانے کی صلاحیت موجود ہے۔ کیا تمام جن وانس مل کر یہ کام کر سکتے ہیں؟ پورہ چوزہ نہ سہی انڈے کے پانی سے کوئی ایک اعضاء آنکھ، چونچ، کان، دل، معدہ بال وغیرہ ہی بنا دیں۔ جس کام کے کرنے پر تمام جن وانس بے بس ہو جائیں اسکے متعلق تفکر نہ کرنا اور یہ گمان کر لینا کہ قدرتی نظام کے تحت خود بخود ہو رہا ہے کتنی ناانصافی کی بات ہے۔

ماحول کے مطابق صلاحیتیں

جس جاندار نے جس ماحول میں اپنی زندگی گزارنی تھی اسکا جسم اور دیگر صلاحیتیں اسی کے موافق عطا فرمائیں۔ مچھلی نے پانی میں رہنا تھا اسے ایسا گوشت دیا جو پانی میں گل سڑ نہ سکے۔ پانی میں سانس لینے کا نظام دیا۔ پیٹ میں خالی جگہ رکھی، جسم میں کثافت کے تناسب (Ratio) کو موزوں بنایا تا کہ مچھلی پانی میں ڈوب نہ جائے۔ پانی میں تیرنے کے لیے پر لگائے تا کہ اپنی دنیا میں گھوم پھر سکے۔ اسکے برعکس خشکی پر رہنے والے انسان کو ایسا گوشت دیا جو خشکی پر قائم رہ سکے، اس گوشت کو اگر پانی میں ڈال دیا جائے تو ایک دن بعد گل سڑ جائے جبکہ مچھلی کا گوشت خشکی پر اکڑ جائے، انسان پانی میں جائیں تو سانس نہ لے سکیں۔ مچھلی

خشکی پر سانس نہ لے سکے۔

برفانی علاقوں میں رہنے والے جانوروں کو سردی سے بچاؤ کے لیے موافق موٹی تہہ والے لمبے بال اور موزوں جلد دی۔ جانوروں کے بچوں کو ابتداء میں سنبھالنے والا کوئی نہ تھا چنانچہ وہ پیدا ہوتے ہی چلنا دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ انسان کو عقل وشعور دیا، گھر دیئے، چیزوں پر قبضہ دیا وہ بچوں کی نگہداشت کر سکتا تھا۔ اسلئے اسکا بچہ چلنے میں کافی وقت لے لیتا ہے۔ اسطرح کے بے شمار حقائق بذات خود اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں کہ انکو بنانے کے پیچھے کوئی لامحدود ذہن کارفرما ہے۔

اسی طرح جس جانور کی جو خوراک تھی اسکے موافق خوراک کھانے اور ہضم کرنے کا نظام دیا۔ مچھلی کے باریک باریک دانت اسکی خوراک کے موافق، ہاتھی، شیر چیتا، بھینس، گائے، بکری کے دانت ان کے موافق، لکڑی میں رہنے والے کیڑے کے منہ میں لکڑی کو کاٹنے کا کٹر (Cutter) لگایا۔ پرندوں کی چونچیں ان کی ضرورت کے تحت بنائیں۔ انسان نے سب کچھ کھانا تھا اسکے دانت اسکے موافق بنائے۔ اگر جانوروں کے صرف منہ ہی غلط بنا دیئے جاتے جو مطلوبہ خوراک کے لیے موزوں نہ ہوتے تو چند ایام میں سب جانوروں کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ حیرت ہے اس بات پر کہ کہ ہم ان جدید نظاموں کو تو مانیں لیکن ان نظاموں کے بنانے والے سے غافل رہیں۔ کیا محض ان نظاموں کا انکار اس لیے ممکن نہیں کہ انہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں جبکہ خالق ہمیں نظر نہیں آتا، لیکن اور بھی تو بہت سی چیزیں ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں جبکہ ہم ان کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اُن کے نتائج سے، جیسے ہوا نظر نہیں آتی لیکن پھر بھی اسکا وجود ہم تسلیم کرتے ہیں، الیکٹران، پروٹان، نیوٹران، ایٹم کسی نے نہیں دیکھا لیکن ان کے وجود پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی نشانیاں تو ان سے بہت واضح اور بڑی ہیں اسکے باوجود ہم غور وفکر نہیں کرتے۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو پھر کوئی رکاوٹ ہمیں اپنے اللہ ﷻ پر ایمان لانے سے دور نہیں رکھ سکتی۔

کام کے مطابق اجسام: جس کام کے لیے جو جانور پیدا کیا گیا ہے اسکے موافق اسے اعضاء اور جسم دیا گیا ہے خچر کو پہاڑوں پر چڑھنے کے موافق مضبوط جسم، گھوڑے، گدھے کو اسکے کام کے مطابق، زمین پر

چلنے، دوڑنے کے لیے سخت و بے جان کھر عطا کیئے، گائے بھینس، بکری، بھیڑ کا جسم اسکے کام کے مطابق، ہاتھی کے بھاری بھرکم وزن کو سہارہ دینے کے لیے اسکی ٹانگوں میں خاص قسم کا سپرنگ کی طرح کا نظام (Spring System) رکھا تا کہ زمین پر پاؤں مارتے وقت اسے کم سے کم دھچکا لگے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہاتھی کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے اور سخت جگہ پر اسے شدید جھٹکا لگتا اور چلنا اسکے لیے دشوار ہو جاتا۔ اگر اتنی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی انسان اپنے خالق کو نہ پہچانے تو پھر یقیناً یہ اسکی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ اللہ تعالی نے جانوروں کو بطور نشانی اور دلیل بناتے ہوئے انسان کو یوں اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔

﴿وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَـكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ، وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُـرِيْـحُـوْنَ وَ حِيْـنَ تَسْـرَحُـوْنَ ، وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّـكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ، وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ النحل:16، آیت: 8-5)

ترجمہ: ''اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی کئی فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چرا کر لاؤ اور چرانے لے جاؤ اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت پہنچ نہیں سکتے۔ یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے، گھوڑوں کو، خچروں کو، گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان پر سواری کرو اور باعث زینت بھی ہیں۔ وہ اور ابھی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔''

نوٹ: آج کے جدید دور میں بھی جہاں گاڑیاں وغیرہ نہیں جاسکتیں، پہاڑوں وغیرہ پر وہاں جانور استعمال ہوتے ہیں۔ وہ کون ہے جس نے ان جانوروں کے دماغوں پر امر جاری کر کے انہیں ہمارے تابع کر دیا، اگر بھینس، گائے، بکری وغیرہ کی فطرت شیر، چیتے جیسی ہوتی تو ہمارے لیے ان سے فائدہ لینے کی بجائے جان بچانا مشکل ہو جاتا۔ پھر آخر کوئی تو ہے جس نے ان کے ذہنوں کو قابو کیا ہوا ہے۔ اونٹ کو بطور خاص

اللہ ﷻ نے اپنی نشانی قرار دیا ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَت﴾ (غاشیہ:88،آیت:17)

ترجمہ: ''کیا انہوں نے اونٹوں پر غور نہ کیا کہ کس انداز سے پیدا کیے گئے ہیں''۔

اونٹ باقی جانوروں سے الگ تھلگ ہے۔اسکی شکل وصورت، کام (بوجھ اٹھانے) کے مطابق جسم، ریگستان میں چلنے کے لیے مناسب چوڑے اور چپٹے پاؤں، اگر یہ پاؤں باقی جانوروں کی طرح ہوتے تو اونٹ ریگستان میں نہ چل سکتا۔پھر ریگستان میں چونکہ پانی مشکل سے ملتا ہے، اللہ ﷻ نے اس کے پیٹ میں پانی جمع (Store) کرنے کی ٹینکی بنادی ہے۔پھر اونٹ کی شرافت دیکھیں کس طرح اللہ ﷻ نے اسکو بھلا مانس بنایا ہے۔اے انسان کیا رب کی پہچان کے لیے یہ دلائل کافی نہیں؟ پھر تو کیوں اپنے رب کی فرمانبرداری میں نہیں آتا؟ وہ کون سی شے ہے جس نے ہمیں اللہ ﷻ سے غافل کردیا ہے۔

ہوائیں اور بارش ہمارے رب کی عطا

ہوا اور بارش اللہ ﷻ کی بہت پیاری نعمتیں ہیں۔اگر زمین پر ہوا نہ چلے اور بارش نہ برسے تو زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے۔بالخصوص گرمیوں کی بارش طراوت اور نئی زندگی عطا کرتی ہے۔لیکن انسان ایسی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ ٹھنڈی ہوائیں خود بخود نہیں چل رہیں اور نہ ہی بارش خود بخود برس رہی ہے۔ان کو برسانے والا ہمیں نظر نہیں آتا۔وہ بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے قریب دھکیلتی ہیں جسکی وجہ سے تکثیف کا عمل ہوتا ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے بادل کو چھوٹے چھوٹے قطروں میں تبدیل کر کے زمین کی طرف لوگوں پر برساتا ہے۔اللہ تعالی نے اپنی اس نعمت کا ذکر یوں فرمایا:۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾

(سورہ روم :30،آیت:48)

ترجمہ: ''وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ جو بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکتے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش وخرم ہو جاتے ہیں''

اگر اللہ جل جلالہ بارش نہ برسائے، ہواؤں کو نہ چلائے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اگر چھوٹے چھوٹے قطروں کی بجائے سارا پانی ایک دم گرا کرتا تو جاندار اس زمین سے ختم ہو چکے ہوتے۔ یہ بارش اللہ جل جلالہ کی بہت بڑی نشانی ہے۔ آئیں اسکا شکرادا کرتے ہوئے اس قرآن پر ایمان لے آئیں جس نے اس صداقت کو آج سے 1400 سال پہلے بیان کر دیا اور ہوا چلنے اور بارش برسنے پر اپنے مہربان رب کو یاد رکھا کریں جس نے ہمیں یہ نعمتیں عطا کیں۔

پرندوں کا اڑنا اللہ جل جلالہ کی نشانی

مچھلیوں کا پانی میں تیرنا، جانوروں کا زمین پر چلنا پھرنا، پرندوں کا ہوا میں اڑنا یہ سب اللہ جل جلالہ کی نشانیاں ہیں۔ پرندوں کے اڑنے کا ذکر بطور خاص اللہ تعالی نے یوں فرمایا ہے:

﴿ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (سورۃ نحل،16،آیت 79)

ترجمہ: ''کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) مطیع وفرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں، (فضائے آسمانی میں) انہیں کوئی اور تھامے ہوئے نہیں ہے سوائے اللہ کے، یقیناً ان میں بہت سی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے''۔

مزید فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴾ (سورہ ملک:67 ،آیت:19)

ترجمہ: ''کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر اڑتے نہیں دیکھا، پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹے ہوئے؟ نہیں تھامے ہوئے انہیں کوئی (ہوا) میں سوائے رحمٰن کے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اس نشانی پر غور کیا جائے تو چند موٹی موٹی باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اڑنے کے دوران پرندے ٹانگیں فوراً پیچھے کر لیتے ہیں جسطرح جہاز کے پہیے اندر چلے جاتے ہیں ، پرندوں کو کس نے سکھایا کہ وہ ایسا کریں؟

۲۔ اڑنے کے دوران اگر توازن (Balance) لمحہ بھر کے لیے قائم نہ رہے تو پرندے فوراً نیچے گر جائیں جسطرح بعض اوقات انسان کھڑے کھڑے گر جاتے ہیں توازن خراب ہونے کی وجہ سے۔ یہ توازن مسلسل کون برقرار رکھے ہوئے ہے؟

۳۔ اڑنے کے لیے پروں کی مخصوص حرکت انہیں کون سکھاتا ہے؟

۴۔ **اڑتے ہوئے علاقے اور جگہ کی پہچان:** دور دراز سے واپس اپنے گھونسلے میں آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں کسی نے پہچان دی ہے۔ مثال کے طور پر پروفیسر ہیمر گر نے اپنی کتاب ''پاور اینڈ فر یجیلیٹی'' میں ''مٹن نامی'' ایک پرندے کی مثال دی ہے جو بحرالکاہل میں پایا جاتا ہے۔ یہ پرندہ نقل مکانی کرتے ہوئے 24 ہزار کلومیٹر کا طویل فاصلہ 8 کی شکل میں چکر لگا کر طے کرتا ہے اور اپنا سفر 6 ماہ میں مکمل کر کے اپنے ابتدائی مقام پر زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی تاخیر سے واپس پہنچ جاتا ہے جو کہ اس بات کی گواہی ہے کہ اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی ہے۔

۵۔ ہر وقت پوری دنیا میں کتنے پرندے حشرات وغیرہ اڑ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ ﷻ ہر وقت ان تمام کو تھامے رکھتا ہے اور ہر ایک کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔

شرک کے ارتکاب کی بنیادی وجہ

حق سے نا آشنائی اور جہالت شرک کے ارتکاب کی بنیادی وجہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس عظیم گناہ سے بچانے کے لیے اشیاء پر گہرے غور وفکر اور عقل وبصیرت سے کام لینے پر زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ عقل سے کام نہ لینے والے لوگوں کے لیے سخت ترین الفاظ نازل فرمائے ہیں تا کہ وہ اس روش سے باز آ کر اپنے فائدے اور نجات کے رستے کو اپنا لیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴾ (سورہ انفال:8،آیت:22)

''بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک بہرے گونگے (انسان) ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے''

اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ معاف کرنے کی گنجائش رکھی ہے لیکن شرک کے مرتکب کے لیے بروز قیامت معافی کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور شرک کو کائنات کا سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ یعنی شرک کرنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔ ظلم کے معنی کسی چیز کو اسکے اصل مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لے آنا ہے۔ آج سائنس کی بدولت اشیاء کے متعلق حقائق واضح ہونے پر شرک کے ظلم عظیم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جب یہ صداقت سامنے آئی کہ گوشت (پروٹین) کا ایک ذرہ خود سے بنانے کے لیے اس کائنات سے کروڑوں گنا بڑی جگہ چاہیے جہاں اربوں سال اللہ ﷻ کے پیدا کردہ پہلے سے موجود عناصر عمل کرتے رہیں تو شاید گوشت کا ایک ذرہ خود بخود بن جائے، اسکے برعکس اگر یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ فلاں بچہ کسی بزرگ نے عطا کر دیا ہے تو اللہ ﷻ کے غصے اور غضب کا اندازہ آپ خود کر لیں۔انسان کس طرح خدا کا شریک بنا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

﴿هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا‌ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ‌ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ○ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮهُمَا‌ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ○ اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ شَيۡئًا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ○﴾(سورۃ الاعراف،آیت:191-189)

ترجمہ: ''وہی (اللہ) تو ہے جس نے پیدا کیا تمھیں تن واحد سے اور اسی سے اسکا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس اپنے جوڑے سے سکون حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اٹھا لیا اس نے ہلکا سا بوجھ سو وہ اسکو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو انکا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ تو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ پاک ہے انکے شرک سے۔ کیا ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو تخلیق نہ کر سکیں بلکہ خود ہی تخلیق کئے گئے ہوں''

اسی طرح کائنات جن چھوٹے ذرات ایٹموں سے ملکر بنی ہے ان ایٹموں کو ابھی تک جدید آلات سے بھی نہیں دیکھا جا سکا بنانا تو در کنا پھر بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کو لوگوں کے ساتھ منسوب کرنے کی شراکت اللہ جل جلالہ کیسے برداشت کریں گے؟ اللہ کے حکم سے کوئی صلاحیت حقیقی فاعل اللہ کو تسلیم کرتے ہوئے مجازاً کسی مخلوق کی طرف منصوب کرنا جیسے انبیاء کرام کے معجزات وغیرہ شرک نہیں، لیکن بغیر دلیل ایسے افعال کی نسبت لوگوں کی طرف کرنے میں احتیاط کرنی چاہے کیونکہ اکثر ایسی چیزیں بلا دلیل لوگوں کی طرف منسوب کردی جاتی ہیں جن کا اذن مخلوقات کو نہیں دیا گیا۔ یہ اسی طرح ہے کہ اللہ جل جلالہ نے کسی کو اذن نہ دیا ہو اور ہم کہیں کہ فلاں کو اذن دیا ہے، اسلئے اس معاملے میں احتیاط کرنی چاہیے۔ سابقہ اقوام کو بھی شیطان نے بلا دلیل لوگوں کے پیچھے لگایا جسکا ذکر سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔

﴿مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ (سورہ یوسف:12 آیت:40)

ترجمہ: ''اس (اللہ) کے سوا تم جن جن کی پوجا کر رہے ہو وہ تو (محض) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، حکم تو

صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

امید ہے بات سمجھ آچکی ہوگی۔ شرک کی چند شکلیں جن میں لوگوں کو تاویل کی غلطی لگی ہے یا ناسمجھی کی بنا پر ہو رہی ہیں۔ اپنے بھائیوں کی خیرخواہی کے لیے واضح کر دیتے ہیں تا کہ اس عظیم ظلم سے دامن بچایا جا سکے۔

(i) کسی بھی شکل میں مخلوق کو اللہ ﷻ یا اسکا حصہ ماننا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا اسکا کا بیٹا بنایا۔

(ii) دور جہالت میں لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کائنات میں کچھ طاقتیں (جنات، فرشتے، نیک لوگ) ہیں جو ہمیں مصائب و آلام سے نجات دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ جب کسی مشکل یا مصیبت میں پھنستے تو اللہ کی بجائے ان ہستیوں کو پکارتے اور انہیں خوش کرنے کے لیے ان کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو شرک قرار دیا ہے۔ اپنے مصائب و آلام کے حل کے لیے جائز اسباب اور لوگوں کی طرف رجوع کرنا بالکل درست ہے لیکن مشکلات کے چھٹکارہ کے لیے غائب سے پکارنا یا فریاد رسی کرنا دعا کہلاتا ہے جو کہ خاص عبادت ہے اور صرف اللہ کا حق ہے۔ ایسا فعل کسی اور کی طرف منسوب کرنا جیسے المدد فلاں میری مشکل حل کردو وغیرہ وغیرہ یہ ظلم عظیم ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ: بنی اسرائیل، آیت: 57-56، یونس: آیت: 22، نمل: آیت: 62، احقاف آیت: 6-1، انعام: آیت: 41-40، المومن: آیت: 60۔

(iii) اللہ و رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کو حلال و حرام کا اختیار دے دینا اور آنکھیں بند کر کے بغیر دلیل اسکی کی پیروی کرنا اس شخص کو خدا کے درجے پر فائز قرار دیا گیا ہے۔ سابقہ اقوام کی تباہی کی یہ بنیادی وجہ بیان کی گئی ہے، جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ **(التوبہ۔آیت:31)**

ترجمہ: ''اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا تھا اور مریم (علیھا السلام) کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔''

اس ظلم کی وجہ سے انسان نے لوگوں کو عملاً خدا ورسول کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ اسکے باوجود کہ سابقہ اہل علم فقہائے کرام اور محدثین لوگوں کو بلا دلیل اپنی پیروی سے سختی سے منع کرتے رہے۔

(iv) اللہ اور اپنے درمیان لوگوں کو ڈھال بنا کر اللہ سے بے نیاز ہو کر فائدے و نقصان کا ذمہ دار لوگوں کو ٹھہرا لینا اور ان پر بھروسہ کر لینا بہت بڑے ظلم کی ایک شکل ہے۔

(v) اللہ کے علاوہ مخلوق کے نام کی نذر و نیاز اور جانور چڑھانا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب بھائیوں کو شرک جیسے غلیظ مرض سے شدید نفرت عطا فرمائے اور ہمیں اس ظلم سے بچائے رکھے (آمین)۔ اس ظلم سے بچنے کے لیے اسکے مختلف پہلوؤں اور شکلوں کو سمجھنے کا پختہ عہد کریں۔ شرک کے متعلق ہم نے ایک کتاب ''صراطِ مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ'' لکھی ہے۔ اس سے استفادہ کیا جا سکتا۔

باب ٦

مافوق امور اللّٰہ جل جلالہ کا تعارف اور نشانی

کائنات ضابطے اور قوانین فطرت کے تحت چل رہی ہے۔ ان قوانین کو مرتب کرنے والے نے انسانوں کو اپنی پہچان کا رستہ دکھانے کے لیے کئی مافوق الاسباب امور کر کے بھی دکھائے ہیں تا کہ انسان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان قوانین کو اللّٰہ جل جلالہ نے ہی بنایا ہے اور جب چاہے وہ ان قوانین کے بغیر بھی امور انجام دے دے۔ ایسی کئی نشانیاں ہیں جن میں سے صرف چند پیش کی جائیں گی جن کی تصدیق زمانہ بھی کر چکا ہے اور جن کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔

غار والوں کا قصہ

یہ واقعہ سلطنتِ روم میں حضرت عیسی علیہ السلام کے قریباً 100 سال بعد پیش آیا۔ چند نوجوانوں نے جب انسانوں کی پوجا کروانے والے بادشاہ وقت ایڈرین کے دربار میں اللہ کے علاوہ تمام معبودوں کی نفی کر دی تو حکمت کے تحت اللّٰہ جل جلالہ نے ان نوجوانوں کو وہاں سے بچا کر غار میں پناہ دی۔ پھر انہیں 446ء میں شہنشاہ تھیوڈس جو کہ توحید پرست تھا اسکے دور میں دوبارہ قریباً 300ء سال بعد اٹھایا۔ ہماری سرزمین پر رونما ہونے والا یہ عجیب وغریب واقعہ ہے جو اللّٰہ جل جلالہ کے ہونے کا یقینی پتہ دیتا ہے اور اس سے متعارف کراتا ہے۔ وہ اللہ جس نے 300ء سال تک غار میں فطری قوانین ان پر لاگو نہ ہونے دیئے، نہ تو ان کا جسم گلا سڑا، نہ جانور، درندے اور کیڑے مکوڑے ان کے قریب پھٹکنے دیئے اور نہ ہی انسان ان تک رسائی حاصل کر سکے۔ پھر معجزانہ طور پر انہیں تقریباً 300 سال بعد اٹھا کھڑا کیا تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ کسطرح ظالم اور جابر حکمرانوں کو ختم کر کے اہل توحید کو اقتدار بخشتا ہے، کیونکہ ان لوگوں کی شدید خواہش تھی

کہ وہ حق کی سربلندی دیکھیں۔اس واقعہ کے متعلق مورخین نے بھی لکھا ہے جیسے ''گبن'' نے مشہور کتاب '' رومی سلطنت کا عروج و زوال'' میں سات سونے والوں (7-Sleepers) کے نام سے تذکرہ کیا ہے۔قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق الکہف کے نام سے پوری صورت موجود ہے۔جسکی ہم صرف ایک آیت ایمان کی تازگی کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ جب یہ نوجوان اللہ کے لیے شہنشاہ وقت ایڈرین کے دربار میں کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع کی منظرکشی یوں کی۔

﴿ وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا ﴾(الکہف:18،آیت:14)

ترجمہ:۔''اور مضبوط کر دیے ہم نے ان کے دل جب وہ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب (صرف) وہی ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ ہرگز نہیں پکاریں گے ہم اسکے سوا کسی معبود کو''

حضرت یوسف علیہ السلام کی حفاظت

یہودیوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے متعلق ہمارے پیارے رسول ﷺ سے سوال کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے نام سے پوری سورۃ نازل فرمائی۔قصہ مختصر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائی ان کو قتل کرنا چاہتے تھے تا کہ ان کے والد کی توجہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی بجائے ان کی طرف زیادہ ہو سکے جسکا ذکر یوں کیا گیا:

﴿ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ﴾ (یوسف:12 آیت:9)

ترجمہ:۔ ''قتل کر دو یوسف (علیہ السلام) کو یا پھینک دو اسے کسی جگہ تا کہ خالص ہو جائے تمہارے لیے توجہ تمہارے باپ کی اور ہو جائیں گے ہم اسکے بعد نیکوکار''

بہانے سے ان کے بھائی یوسف علیہ السلام کو گھر سے لے گئے تا کہ قتل کر دیا جائے لیکن اللہ ﷻ نے فیصلہ

کیا ہوا تھا انہیں بچانے کا انہوں نے قتل کرنے کی بجائے اندھے کنویں میں پھینک دیا، اسی وقت اللہ ﷻ نے پانی کی تلاش میں کچھ لوگوں کو کنویں میں بھیج دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو نکلوا دیا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بالآخر زمانے کے حوادث سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچا کر مصر کا اقتدار عطا فرمایا جسکا ذکر قرآن مجید نے یوں کیا۔

﴿وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾(سورۃ یوسف:12،آیت:56)

ترجمہ: ''اور اسطرح اقتدار عطا کیا ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک میں تا کہ وہ جگہ بنا لے اپنے لیے اس میں جہاں چاہے اور نہیں ضائع کرتے ہم اجر اچھے کام کرنے والوں کا''

یہ سچا واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کائنات کو چلانے والا غیب کے پردوں میں چھپا ہوا کوئی خدا ہے جس کے قبضہ میں تمام کائنات کے قوانین اور زمانے کے حالات واقعات ہیں اور تمام قوانین اس کے ارادہ کی پیروی کرتے ہیں۔ ایسے واقعات سے سابقہ آسمانی کتابیں، تاریخ اور قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اختصار کی خاطر ہم انہیں چند واقعات تک محدود رہتے ہیں۔ یہ واقعات کوئی فرضی قصے نہیں۔ زمانہ ان کے وقوع پذیر ہونے کی گواہی دے چکا ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ کیا یہ واضح حقیقت ہمارے لیے اپنے خوبیوں والے رب پر نثار ہونے کے لیے کافی نہیں۔

خلاف فطرت تخلیق : اللہ تعالی نے انسانوں کی تخلیق فطری قانون کے تحت مرد اور عورت سے کی ہے لیکن اس کائنات میں بعض تخلیقات خلاف معمول بھی کی ہیں تا کہ رب کی پہچان ہو سکے جسکی چند صداقت پر مبنی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

ا۔ **حضرت یحیٰ علیہ السلام کی پیدائش:** حضرت زکریا علیہ السلام نے عمر کے اس حصے میں اولاد کی دعا کی جب دونوں میاں بیوی شدید بڑھاپے کی حالت میں تھے اور ان کی بیوی بانجھ ہو چکی تھی۔ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی اور جب فرشتے کے ذریعے خوشخبری بھیجی تو انہوں نے بہت تعجب کیا کہ میرے ہاں اولاد

کیسے ہوسکتی ہے۔اس پر خوبیوں والے رب نے فرشتے کوحکم دے کر بھیجا۔

﴿ قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَکُ شَیْئًا ﴾

ترجمہ:۔ ''فرمایا یونہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان کام ہے اور دیکھو میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے بیشتر کہ تم کوئی چیز نہ تھے'' (یعنی نا چیز قطرے سے انسان کا بننا کون سا سمجھ میں آتا ہے'' ۔(مریم:19،آیت:9)

۲۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کواللہ تعالیٰ نے اپنی دلیل اور نشانی بنانے کے لیے بغیر باپ کے پیدا کردیا ۔چنانچہ جب حضرت مریم علیہا السلام کوفرشتے نے خوشخبری دی تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں،اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے پیغام بھیجا۔

﴿ قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ، فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَکَانًا قَصِیًّا ﴾ (مریم:19،آیت:22-21)

ترجمہ:۔ ''فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ میرے لیے بہت آسان ہے، تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور رحمت ہو ہماری طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے، پس وہ حاملہ ہوگئیں، پھر وہ چلی گئیں بچے کو (شکم میں) لیے کسی دور جگہ''

اسکے بعد جب لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوت گویائی دی اور چند دن کا بچہ بولا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔

۳۔انسانیت کی تخلیق سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔یہ صداقت پر مبنی سچے حقائق ہمیں سوچنے کی دعوت دیتے ہیں اپنے رب کے بارے میں۔

نافرمان اقوام کی ہلاکت

سابقہ بہت ساری اقوام جن کو اللہ ﷻ کے برگزیدہ پیغمبروں نے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن جب وہ کسی طرح بھی نہ مانے اور مسلسل حق کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ انبیاء کرام کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا اور نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ بطور دلیل صرف ایک قوم کے متعلق قرآن مجید کی آیات ملاحظہ کریں۔ قوم نوح کو پانی کے سیلاب میں غرق کیا، ارشاد ہوا؛

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا تو تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے حکم دیا کہ سوار کر لو اس کشتی میں ہر قسم کے نر اور مادہ کا جوڑا جوڑا'' (سورہ ھود: 11، آیت: 40)

چنانچہ کئی ماہ تک آسمانوں سے اور زمین سے پانی جوش مارتا رہا یہاں تک کہ سب ظالموں کو ہلاک کر دیا گیا سوائے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ جب سب غرق ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو تھم جانے کا حکم دے دیا، چنانچہ بارش رک گئی اور زمین کا پانی واپس زمین نے قبول کر لیا جسکا ذکر قرآن مجید میں یوں کیا گیا۔

﴿وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورہ ھود: 11، آیت: 44)

ترجمہ: ''اور کہہ دیا گیا! اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا، اور (ساتھ ہی) اتر گیا پانی اور چکا دیا گیا فیصلہ اور جا ٹھہری (کشتی) جودی پہاڑ پر اور کہہ دیا گیا کہ لعنت پڑ گئی ان لوگوں پر جو ظالم تھے''

اس روئے زمین پر وقوع ہونے والا یہ سچا واقعہ جہاں قرآن اور رسول ﷺ کی صداقت اور اللہ کی نشانی ہے وہیں اس میں خوف و عبرت ہے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانی کی زندگی کتنے بڑے خسارے کا باعث ہے۔

باب ۷

خدااور مذہب کاانکار

وہ انسان جسکا وجود خدانے بنایا، جس کے لیے کائنات بنائی گئی۔انہیں انسانوں میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی مذہب اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔اس طبقے کے سکالرز جیسے: رسل، جولین، ہکسلے، فرائڈ، لنٹن، رچرڈ ڈاوکنز وغیرہ نے مذہب اور خدا کے انکار پر بہت دلائل دینے کی کوشش کی ہے۔منطق اور فلسفہ کی بنیاد پر پیش کردہ ان دلائل میں بظاہر تو بڑا وزن محسوس ہوتا ہے لیکن یہ دلائل حقیقت کے اعتبار سے سچائی پر مبنی نہیں۔اس طبقہ کے بعض دلائل تو جدید سائنسی ایجادات نے کمزور کردیئے جیسے ڈارون کا زندہ اشیاء کے متعلق ''نظریہ ارتقاء'' وغیرہ۔

اسی طرح ۱۸ ویں صدی میں مینول کانٹ نے ساکن کائنات (Static Universe) کا نظریہ پیش کیا جسکے مطابق کائنات کو ساکن حالت میں ہمیشہ سے موجود مانا گیا اسکے بعد کارل مارکس نے ''Dielectrical Materialism'' کا یہ نظریہ دیا کہ مادہ ہی سب کچھ ہے اسی نے خود بخود کائنات کی شکل اختیار کرلی ہے وغیرہ۔ان نظریات سے سب سے زیادہ خود عیسائی متاثر ہوئے کیونکہ الہامی کتابوں کے تبدیل ہونے کی وجہ سے عیسائیت عقل پر پوری نہیں اترتی تھی اسلئے کئی عیسائی سکالر خدا اور مذہب کے منکر ہوگئے۔آج بھی ان مذاہب سے بغاوت کا نتیجہ خدا کے انکار کی صورت میں نکل رہا ہے۔چنانچہ ۱۹۲۹ء میں جب ہبل نے دوربین کے ذریعے دکھادیا کہ اجرام فلکی ساکن نہیں بلکہ حرکت میں ہیں تو ساکن کائنات کے نظریے کو ''Steady State Universe'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ بعد ازاں عظیم دھماکے (Big Bang) کی دریافت سے جب یہ بات سامنے آئی کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں بلکہ اسکا

آغاز ہوا ہے تو ان غلط نظریات کا خاتمہ ہو گیا اور ماہر کونیات سمیت دیگر کئی سائنسدانوں نے یہ بات تسلیم کر لی کہ کائنات کو بنانے والا ضرور کوئی خدا ہے۔

ہماری اس کتاب کے سابقہ ابواب میں خدا اور مذہب کے منکرین کی اکثر غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم سکالرز نے بھی ان لوگوں کے رد میں بہت لکھا ہے۔ یہاں ہم پھر سے ان لوگوں کے چند بنیادی دلائل کا اختصار کے ساتھ تجزیہ پیش کر رہے ہیں تا کہ ان کی حقیقت آپ پر آشکار ہو جائے۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے ڈاکٹر ذاکر نائیک، ہارون یحیٰی کی تحقیق (Documentries) اور انڈین سکالر مولانا وحید الدین خان صاحب کی تصانیف ''ظہور اسلام'' اور ''مذہب اور جدید چیلنج'' سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اب ہم ان کے چند شبہات کا مختصر تجزیہ پیش کرتے ہیں، سب سے پہلے ہم عصر حاضر کے نامور منکرِ خدا (Atheist) رچرڈ ڈاوکنز (Richard Dawkins) کے بنیادی دلائل کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب (The God Delusion) میں خدا اور مذہب کے انکار پر پیش کیے۔ اسکے دلائل کے تسلی بخش تجزیے کے لیے الگ سے ایک باب (Chapter) درکار تھا لیکن طوالت سے بچنے کے لیے فی الحال اسکے چند بنیادی دلائل کا مختصر تجزیہ پیش خدمت ہے۔

رچرڈ نے مذکورہ کتاب کے آغاز میں کہا ہے کہ جو بھی اس کتاب کو پڑھے گا وہ منکرِ خدا (Atheist) ہو جائے گا۔ جب میں نے اس کتاب میں موجود دلائل کو دیکھا تو میرا اللہ پر ایمان اور زیادہ پختہ ہو گیا (الحمدللہ)۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر 3 دلائل کی بنا پر خدا کا انکار کیا گیا ہے جو کہ یہ ہیں۔

دلیل نمبر۔۱: کائنات میں مختلف قسم کی اشیاء بشمول پیچیدہ ساخت (Complex) کی حامل اشیاء ڈارون کے نظریہ ارتقاء بذریعہ قدرتی چناؤ (Natural Selection) سے وجود میں آئی ہیں۔

نوٹ: یاد رہے کہ کائنات میں موجود اشیاء کے متعلق 3 نظریات چلتے آ رہے ہیں۔ (i) کائنات کو کسی نے ڈیزائن یا تخلیق کیا ہے اور وہ خدا ہے۔ (ii) چیزیں خود بخود 'By Chance' وجود میں آ گئی ہیں۔ (iii) ارتقائی عمل کے نتیجے میں موجودہ شکل میں بنی ہیں۔

چونکہ خود بخود 'By Chance' تخلیق کے امکان کی اہل علم پہلے ہی تردید کر چکے ہیں اس لیے رچرڈ نے خالق کو ماننے کی بجائے ارتقائی عمل کو ترجیح دی ہے۔

دلیل نمبر۔۲: اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ کائنات کی انتہائی پیچیدہ تخلیق خالق نے کی ہے تو وہ خالق یقیناً کائنات سے زیادہ پیچیدہ ہوگا تو پھر یقیناً اسے بھی کسی نے تخلیق کیا ہوگا۔ یہ نہ انصافی ہوگی کہ کائنات کے خالق کو تو تسلیم کیا جائے لیکن خدا کے خالق کو تسلیم نہ کیا جائے۔

دلیل نمبر۔۳: دنیا میں پائے جانے والے منکرین خدا (Atheists) مہذب، بااخلاق، اور متوازن (Balanced) لوگ ہیں جبکہ مذہب پر عمل پیرا ہونے والے بد اخلاق، بددیانت، فریبی، لڑائی جھگڑا اور خونریزی کرنے والے ہیں۔ مذہب کو تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اچھے لوگ بھی بُرے بن جاتے ہیں۔

رچرڈ ڈاؤکنز کے دلائل کا تجزیہ

بات کو سمجھنے سے پہلے قدرتی چناؤ کو سمجھ لیں ۔ ڈارون نے 1859ء میں اپنی کتاب "The origin of species by means of natural selection" میں ارتقاء بذریعہ قدرتی چناؤ کا نظریہ پیش کیا جسکے مطابق سادہ سے پیچیدہ جانور رفتہ رفتہ مختلف تبدیلیوں سے گزر کر ارتقائی عمل کے ذریعے موجودہ صورت میں تبدیل ہوئے ہیں۔ جن کی صلاحیتیں حالات اور ماحول سے زیادہ موافق تھیں ان کا قدرتی چناؤ کے تحت بقاء ہوا ہے جبکہ ناموزوں اور ناموافق صلاحیتوں والے جانور آہستہ آہستہ ختم ہو گئے ہیں۔ ڈارون نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر کوئی ایک مثال بھی ایسی مل جائے جس میں کوئی پیچیدہ عضو (Organ) بغیر ارتقائی تبدیلیوں کے بنا ہو تو میری تھیوری غلط ثابت ہو جائیگی۔

اب ہم رچرڈ ڈاؤکنز سمیت دنیا کے تمام منکرین خدا (Atheists) کے لیے چند سچائی پر مبنی حقائق پیش کرتے ہیں اور انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان پر غور وفکر کرتے ہوئے انصاف سے فیصلہ کریں کہ کیا کائنات میں موجود ان گنت حقائق اور خدا کی نشانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خدا کا انکار ممکن ہے؟

جواب: دلیل نمبر ۱

(1)۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ایسی ٹھوس (Solid) بنیادیں فراہم نہیں کرتا جسکی بنا پر اسے قانون تسلیم کرتے ہوئے اسکی بنیاد پر خدا کا ہی انکار کر دیا جائے ۔ کیونکہ اس نظریے کو جہاں دوسرے بہت سے سائنسدانوں نے تسلیم نہیں کیا وہیں ڈارون خود بھی کئی چیزوں کی وضاحت نہ کر سکا اور اسکا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ جیسے سائنس ترقی کرے گی یہ گرہیں کھلتی جائیں گی لیکن معاملہ اسکے برعکس ہو گیا۔

(2)۔ اگرچہ کچھ سائنسدانوں نے اسے تسلیم بھی کیا لیکن بہت سارے دیگر سائنسدانوں اور دانشوروں کا اسے تسلیم نہ کرنا اسے مشکوک ضرور قرار دے دیتا ہے جسکی وجہ سے کم از کم اسے قانونی حیثیت دینے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ۔اسی لیے تمام کتب میں نظریہ ارتقاء لکھا گیا ہے ۔ (Theorty of Evolution) کسی نے بھی ارتقاء کا قانون (Fact of Evolution) نہیں لکھا۔پس اسکی بنیاد پر خالق کا انکار کسی صورت نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ بہت سارے (100 of) ماہرین جن میں اکثر نے نوبل پرائز بھی حاصل کیا اور ڈارون کا رد کیا ہے ۔بطور دلیل چند کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

لوئی پاسچر: ''مادہ خود بخود منظّم نہیں ہوسکتا۔بغیر آباؤ اجداد کے جراثیم دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتے''،یعنی زندگی صرف زندگی سے شروع ہوسکتی ہے، بے جان سے نہیں۔ **(Origin of Life P:4-5)**

پیٹرک گلائن: اس امریکن سکالر کے مطابق جدید سائنس کی دریافتوں نے منکرین خدا کے نظریات باطل کر دیئے ہیں اور آج خدا کی موجودگی پر ناقابل تردید اور مضبوط دلائل فراہم ہو گئے ہیں۔

(God, the Evidence, 1997)

الیگزینڈر آپرن: خلیہ (Cell) کی موجودگی نظریہ ارتقاء پر بہت بڑا سوال ہے۔

(Origin of Life P: 196)

فریڈ ہائیل: اس بات کا امکان کہ پیچیدہ جانور خود بخود بن گئے ہیں ایسے ہی ہے جیسے ہوا کا جھکڑ چلے اور اس

سے اکٹھے ہونے والے کچرے سے ہوائی جہاز (Boeing-747) خودبخود بن جائے۔

(Nature,12 Nov.1981)

کولن پیٹرس: قدرتی چناؤ سے نئی اقسام کی تشکیل نہیں ہوئی۔ (BBC Cladistics 4, March-1982)

سرالبرٹ جوجی: اس نے وٹامن سی کی دریافت پرنوبل پرائز حاصل کیا۔اس نے ڈرون کے نظریے کے رد میں کتاب لکھی۔**سرفریڈہائیل:**ڈارون کی تردید کی ،**سرفرینک:**یہ بیالوجسٹ تھا،اس نے کہاڈارون کے نظریےکوتسلیم کرنا خلاف عقل ہے۔**روبسٹ البرٹ:**ڈارون کی تردید کی۔

(3)۔ ڈارون نے اپنی مذکورہ کتاب میں خود یہ اعتراف کیا کہ اگر ثابت کر دیا جائے کہ کوئی ایک پیچیدہ عضو بغیر ارتقائی تبدیلیوں سے وجود میں آ گیا ہے تو میری تھیوری غلط ثابت ہو جائے گی۔آج بہت ساری ایسی چیزیں دریافت ہو چکی ہیں جن میں ارتقاء نہیں ہوا۔مثلاً جانوروں کے خلیے (Cells)،DNA،سپرم وراووم کی ساخت۔قدیم فوسلز (Fossils) کے ریکارڈ سے ارتقاء کی تصدیق نہیں ہوتی جیسے انسان کی ساخت، چیونٹی، چمگادڑ ،ڈریگن فلائی وغیرہ۔،مور کے پروں کا ڈیزائن کبھی بھی چانس یاارتقاء سے نہیں بن سکتا۔

(4)۔ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جانوروں میں وراثتی تبدیلی 'DNA' میں تبدیلی کی وجہ سے ہوتی ہے جسکا ذریعہ کیمیائی عوامل یا شعاعیں بنتی ہیں۔ یہ تبدیلی میوٹیشن کے ذریعے ہوتی ہے نہ کہ ارتقاء کے ذریعے۔

(5)۔ ناکارگی کے قانون (Law of Entropy) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خودبخود رونما ہونے والے عوامل کی ناکارگی ہمیشہ بڑھتی ہے یعنی ترتیب (Order) کی بجائے بے ترتیبی (disorder) پیدا ہوتی ہے۔ترتیب میں لانے کے لیے لازماً باہر سے توانائی مہیا کرنی پڑتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود چیزوں؛سورج چاند کی گردش، پتوں یا پھولوں کے ڈیزائن ،ایٹم کی ساخت اور بے شمار جانوروں کی پیدائش میں یہ ترتیب بیرونی عمل دخل کے

بغیر خود بخود کیسے ممکن ہوگئی ہے؟۔

(6)۔ فرض کریں کہ تبدیلی قدرتی چناؤ کے ذریعے ہی ہورہی ہے تو قدرتی چناؤ کے تحت جانوروں میں بہترین صلاحیتیں کون پیدا کرتا ہے اور ان کا چناؤ کون کرتا ہے؟ خود بخود اسکی ناکارگی کیوں کم ہوتی جارہی ہے۔کیا قدرتی چناؤ میں ناکارگی کا قانون غلط ہوجاتا ہے؟۔شیر اور چیتا وغیرہ جنگل میں پائے جانے والے اکثر جانوروں کو کھاجاتے ہیں ،قدرتی چناؤ کے تحت یہ جانور تو کم از کم جنگلوں سے ختم ہوجانے چاہیئں تھے۔

(7)۔ جن جانداروں میں ارتقائی تبدیلیاں ہورہی ہیں وہ پہلی دفعہ خود بخود کیسے وجود میں آ گئے؟ کیا اتفاقاً ایک آدھے جاندار کے پیدا ہوجانے کے بعد بے شمار موزوں اور بامعنی اقسام بغیر کسی بیرونی طاقت کے عمل دخل کے خود بخود بن گئی ہیں اور بنتی چلی جارہی ہیں۔کیا کوئی قانون فطرت اس بات کی تائید کرتا ہے؟ اگر یہ اتنا ہی آسان کام ہے جو خود بخود ہوجاتا ہے تو ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے ہم انڈے بناسکیں۔انڈے کے پانی کو چوزے کی آنکھ میں تبدیل کرسکیں۔خام مال تیار کریں جس کے بیج بن سکیں اور وہ اگ سکیں۔ایٹم ،الیکٹران بناسکیں۔اگر ہم یہ نہ کرسکیں تو پھر یہ بڑی ناانصافی ہوگی کہ ہم صرف یہ کہہ دیں کہ یہ سب کچھ خود بخود ہورہا ہے۔جیفری باڈا نے اپنی کتاب ''زمین''(Earth) میں 1998ء میں یہ اعتراف کیا کہ اب جبکہ ہم 20ویں صدی میں داخل ہوگئے ہیں اب بھی سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ زمین پر زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟

(8)۔ کسی فیکٹری یا مشین سے باقاعدہ(Regular) شکل وصورت کی اشیاء کے بن کر نکلنے پر اگر کہا جائے کہ بغیر کسی بیرونی عمل دخل کے خود بخود بن کر نکل رہی ہیں تو کوئی عقلمند تسلیم کرے گا؟ تو پھر درختوں پر ہزار ہا نت نئے انتہائی پیچیدہ ڈیزائن کے پتے ان کی شاخوں پر ترتیب اور پھل بغیر کسی ڈیزائنر کے بنانے سے خود بخود بنتے جارہے ہیں؟ افسوس ہے ہم پر اگر ہم اتنی واضح نشانیوں کو جھٹلادیں جنہیں جھٹلانا ممکن نہ ہو۔

(9)۔ خالق نے یہ کائنات کچھ قوانینِ فطرت کے تابع کی ہے۔سائنسی انکشافات نے قوانین فطرت کی کچھ کڑیاں تو ضرور حل کی ہیں لیکن کسی بھی چیز کی آخری توجیہ بیان نہیں کی۔

(10)۔ یہ بات ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کائنات کا آغاز ہوا ہے اور یہ بنائی گئی ہے۔عظیم دھماکے سے بھی یہ بات سامنے آئی کہ اسکی تخلیق کے پیچھے کوئی خالق (Creator) تھا کیونکہ دھماکوں کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے نہ کہ نظم و تنظیم۔اس ثابت شدہ حقیقت سے کیسے نظریں پھیر لی جائیں۔تفصیل کے لیے باب۔۴ کا مطالعہ کریں

(11)۔ اتفاقی حادثات سے پروٹین کے ایک مالیکیول کی تشکیل کے لیے جو وقت اور جگہ درکار ہے اسکے لیے موجودہ کائنات ناموافق ہے۔پھر لاکھوں جانوروں کے اجسام میں اربوں پروٹین کے مالیکیولز خود بخود کیسے بن رہے ہیں؟۔

(12)۔ رچرڈ ڈاؤکنز سمیت پوری دنیا کے منکرین خدا کو دعوت فکر ہے کہ اپنے جسم پر غور کریں کہ آپ کے دانتوں کا موزوں ترین مادہ (Material) اور ضرورت کے عین مطابق ڈیزائن، آپکی آنکھوں کی پیچیدگی اور افعال، زبان کا ڈیزائن اور اس کا کام، کانوں اور ہوا کی نالی کا حیرت انگیز ڈیزائن، آپ کے گوشت کا بالوں میں تبدیل ہونا، موزوں ترین ہونٹ، زبان، منہ کے گوشت میں ذائقے کی صلاحیت، بہترین ہاتھ، پاؤں، انتہائی پیچیدہ ساخت اور افعال کا دماغ، دل، گردے، معدہ، جگر، آنتیں وغیرہ کیا بغیر کسی کے ڈیزائن کئے خود بخود بن گئے ہیں؟ ایک کاغذ کے پرزے کے خود بخود تخلیق ہونے کو تو ہم تسلیم نہیں کرتے تو کیا ہمارا جسم کاغذ کے پرزے سے بھی حقیر ہے جو بغیر کسی کے بنائے خود بخود بن گیا ہے، کیا مادے نے خود بخود ہمارے جسم کے اعضاء کی شکل اختیار کرلی ہے۔کیا کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے؟ افسوس ہے ہم پر اگر ان واضح دلائل کو جھٹلا دیں۔

(13)۔ انسان نے پیدا ہوکر جس زمین پر آنکھ کھولنی تھی وہاں اسکی تمام ضروریات زندگی، پانی، ہوا، موافق

موسم، لوہا، پیتل، تانبا، چاندی، سونا، لکڑی طرح طرح کا رزق، پھل کیا یہ اتفاقاً موجود ہو جانے تھے؟۔ایسے کام بغیر کسی ڈیزائنر (Designer) کے ڈیزائن کیے اپنے آپ ہو سکتے ہیں؟ کیا سائنس کے لیے ان چیزوں کے خود بخود ہونے کی توجیہ بیان کرنا ممکن ہے؟ ان چیزوں سمیت کائنات کی تمام تفاصیل (Details) اس بات کا یقینی ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ کائنات کو خالق نے اس طریقے سے ڈیزائن کیا ہے تاکہ اس پر زندگی ممکن ہو سکے۔

(14)۔جانداروں کی مختلف اقسام کی تشکیل کو تو ہم نے قدرتی چناؤ سے منسلک کر دیا لیکن کائنات کی بے شمار دیگر چیزوں ایٹم، الیکٹران، پروٹان، مختلف عناصر، مرکبات، موافق موسمی حالات، ہوا، پانی، سورج، چاند، ستارے، زمین، دن رات کا مخصوص نظام کے تحت بدل بدل کر آنا جانا وغیرہ، ان میں کونسا قدرتی چناؤ ہوا ہے؟ کیا یہ سب بغیر کسی بیرونی مداخلت کے خود بخود ہو گیا ہے؟

(15)۔وہ انسان جسکی محنت سے زمین آباد ہوئی، جس نے انتہائی پیچیدہ ساخت کی مشینیں، کمپیوٹرز، ربوٹ، ہوائی جہاز وغیرہ بنائے، شاندار عمارات سڑکیں تعمیر کیں اس انسان کی یہ تمام موجودات اور ذہانت کو تو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ بغیر کسی کی منصوبہ بندی، بغیر کسی کے ڈیزائن کیے میں خود بخود بن گیا ہوں۔جبکہ جو چیزیں انسان نے بنائی ہیں ان میں سے کسی حقیر سے حقیر چیز کے خود بخود بننے کو تسلیم نہیں کرتے۔کیا انسان کوئی بے معنی اور فضول ساخت کا ہے جسے بننے کے لئے کسی خالق کی ضرورت نہیں؟ کیا ماں کے پیٹ میں موجود گوشت نے خود بخود یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ انتہائی معنی خیز اعضاء، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، دل و دماغ، گردے، معدہ، دانت، چہرہ۔۔۔وغیرہ میں تبدیل ہو جائے؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ افسوس ہے اگر ہم پر ایسے حقائق کو نظرانداز کر دیں۔

(16)۔نر اور مادہ جنس کی صلاحیتیں

جانداروں میں پائی جانے والی بنیادی اقسام نر اور مادہ ہیں، اگر حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے وقتی

طور پر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ خود بخود بن گئی ہیں لیکن نر اور مادہ کے مابین پائے جانے والے باہمی خصائص ایک دوسرے کے خود بخود موافق کیسے ہو گئے؟ مرد میں 23 کروموسوم اور عورت میں بھی 23 کروموسوم سمیت دیگر بہت سی بنیادی ضروریات جن میں یہ ایک دوسرے کے موافق ہیں وہ بغیر کسی بیرونی لامحدود طاقت کی منصوبہ بندی کے خود بخود کیسے ممکن ہے؟ کیا ایسے واضح حقائق کو جھٹلانا ممکن ہے؟ ہمارے خالق نے نر اور مادہ جنس کو اپنی نشانی قرار دیا ہے، اس نے فرمایا:

﴿وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ o وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ﴾ (سورۃ الروم: 30، آیت: 21-20)

ترجمہ: ''اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے تمہاری مٹی سے پیدائش ہے کہ پھر انسان بن کر چلتے پھرتے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اسی نے تمہارے مابین محبت اور مہربانی قائم کردی۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں''

(17)۔ جن جانوروں سے ہماری بنیادی ضروریات وابستہ تھیں ۔ جیسے دودھ، گوشت کا حصول وغیرہ یہ جانور عمومی طور پر شریف النسل ہیں۔ اگر انکی خصوصیات درندہ صفت جانور، شیر، چیتے، جیسی ہوتیں تو ان سے مستفید نہ ہوا جاتا۔ کیا یہ سب کچھ بھی قدرتی چناؤ سے خود بخود ہو گیا ہے؟ کیا دماغ کے گوشت میں بغیر کسی بیرونی مداخلت کے خود بخود موافق خصائص پیدا ہو جاتے ہیں؟

(18)۔ لوگوں نے کئی سالوں کی محنت سے انسانی ربوٹ بنایا ہے جسے انسانوں کی طرح چلانے کی کوشش ہورہی ہے جس میں ابھی تک ہم مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکے، ہم دائیں چلیں، بائیں مڑیں، آگے حرکت کریں یا پیچھے جائیں کتنی آسانی سے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی جاہل یہ

کہہ دے کہ اس کے بنانے کے پیچھے کسی کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ لوہے کے کچرے سے خود بخود بن گیا ہے تو جن لوگوں کی زندگیاں اس کے ڈیزائن میں صرف ہوئی ہیں، انہیں کتنا غصہ آئے گا؟ کیا ہماری صلاحیتیں ربوٹ سے بھی کم ہیں کہ ہمیں بننے کے لئے کسی خالق کی ضرورت نہیں؟ بہت افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے یقینی حقائق کو جھٹلاتے ہوئے اپنے خالق کا ہی انکار کر دیا ہے۔

(19)۔ باب ۲ اور باب ۳ میں پیش کردہ ناقابل تردید دلائل جن سے اس بات کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے کہ قرآن مجید خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، ان دلائل سے آنکھیں کیسے پھیر لی جائیں۔

(20)۔ رچرڈ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ: 'اگر خدا کائنات میں اپنی تصدیق کروانا چاہتا تو وہ بہت اچھے طریقے سے خود کروا سکتا تھا'۔ عرض ہے خدا نے یہ کائنات انسان کی آزمائشیں کے لیے بنائی ہے اور قرآن مجید میں انسان سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اس پر غیب پر ایمان لائے اور قرآن مجید سمیت کائنات میں موجود بے شمار خدا کی نشانیوں پر تفکر کرتے ہوئے یقین کامل حاصل کرے۔ ورنہ وہ خود سے ظاہر ہونا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ نہیں۔

خالق کے وجود کی ناقابل تردید دلیل

انسان چلنے پھرنے کے لیے چمڑے وغیرہ کے سخت جوتے استعمال کرتا ہے تاکہ پاؤں زخمی ہونے سے بچ جائیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانور جن کے لیے جوتے پہننا ممکن نہ تھا انکی ٹانگوں کے آخری سروں کا گوشت موزوں ترین سخت بے جان مادے کے کھروں میں خود بخود کیسے تبدیل ہو گیا ہے جیسے شیر، چیتا، بکری، گائے، بھینس، گھوڑا، گدھا وغیرہ۔ ضرورت کے مطابق گوشت کے کھروں میں تبدیل ہونے کا فیصلہ جانور کے پیٹ کے اندر کس نے کیا ہے؟ کیا اس گوشت نے کیا ہے یا پیدا ہونے والے جانور نے کیا ہے؟ یا جانور کے والدین نے کیا ہے؟ جانور تو ابھی بیرونی ماحول سے آگاہ بھی نہیں کہ بیرونی ماحول میں اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ہم خالق سے غافل رہیں یا اسکا انکار کریں۔

اللہ کا انکار ممکن نہیں!

خدا کی ذات کائنات کی ایسی واضح اور بڑی حقیقت ہے کہ کسی بھی ذی شعور اہل عقل انسان کے لئے اس کا انکار ممکن نہیں۔ اللہ کا انکار درحقیقت اپنے وجود اور کائنات کا انکار ہے۔ انسان کا معنی خیز، انتہائی پیچیدہ ساخت اور افعال کا حامل وجود بغیر کسی منصوبہ ساز کے آخر کہاں سے آ گیا ہے؟ کیا مادے نے خود یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ انسان میں تبدیل ہو جائے اور اس بے جان مادے میں زندگی کی رمق کیا خود بخود پیدا ہو گئی ہے؟ نہیں بلکہ اسے خالق نے بنایا ہے جس کا نام اللہ ہے، وہ بھولے ہوئے انسان کو یوں جھنجھوڑتا ہے۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (سورۃ البقرہ: 2، آیت: 29-28)

ترجمہ: ’’تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تم محض بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندگی بخشی، وہی پھر تمہیں موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہی تو ہے جس نے تخلیق کیا تمہارے لئے وہ سب کا سب جو زمین میں ہے، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست بنا دیئے سات آسمان اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے‘‘

کیا ان ذکر کردہ تمام حقائق سے منہ پھیر لیا جائے اور بے شمار نا قابل تردید دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے محض گمان کی بنا پر بغیر کسی ٹھوس دلیل کے خدا کے وجود کا انکار کر دیا جائے؟ آخر کس بنا پر؟ کاش ہم انصاف کا دامن تھامتے ہوئے اس خدا پر ایمان لے آئیں جس نے ہمارے جسم سمیت پوری کائنات کو خود تخلیق کیا اور اسے قوانین فطرت کا پابند کر کے چلایا۔

قرآن مجید نے خود بخود زندگی کی ابتداء اور مذکورہ ارتقاء کی تردید کی ہے اور بتلایا ہے کہ زندہ چیزوں کو اللہ نے تخلیق کیا ہے پھر نسل کو آگے بڑھانے کے لئے نر اور مادہ تخلیق کئے ہیں۔

جواب: دلیل نمبر۔۲

کائنات اور خالق کے متعلق مذکورہ استدلال میں جو چیز ہمارے مشاہدے میں ہے اور جسکا انکار ممکن نہیں وہ یہ ہے کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں، یہ اپنا آغاز رکھتی ہے۔عظیم دھماکے (Big Bang) سے بھی یہ بات سامنے آئی کہ کائنات کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کسی نے تخلیق کیا ہے۔ یہ بات کئی اور طریقوں سے بھی ثابت کی جاسکتی ہے۔مثال کے طور پر حرکیات حرارت کے دوسرے قانون (Second Law of Thermodynamics) نے اس دلیل کو غلط ثابت کردیا ہے۔حرکیات حرارت میں ضابطہ ناکارگی یہ ثابت کرتا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں۔اس قانون کے تحت حرارت ہمیشہ زیادہ حرارت والے جسم سے کم درجہ حرارت والے جسم میں منتقل ہوتی رہتی ہے لیکن یہ چکر خود بخود الٹا نہیں چل سکتا۔اس قانون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کی ناکارگی مسلسل بڑھ رہی ہے اور ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب تمام اجسام کی حرارت یکساں ہوجائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہ رہے گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عوامل کا خاتمہ ہوجائے گا جس کے ساتھ ہی زندگی بھی ختم ہوجائے گی۔اگر یہ کائنات ہمیشہ سے موجود ہوتی تو اس قانون کے تحت اسکی توانائی کب کی ختم ہوچکی ہوتی اور یہاں زندگی کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔پس یہ ثابت ہوا کہ کائنات ازلی نہیں۔اسکو کسی نے بنایا ہے جو خالق ہے مخلوق نہیں کہ اسے بنانے والے کا وجود تسلیم کرنا پڑے، وہ ازلی ہے۔ایک امریکی عالم حیوانات 'Edward Lutter Kessel' لکھتا ہے:

> ''اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز رکھتی ہے اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کردیا ہے کیونکہ جو چیز اپنا ایک آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہوسکتی، یقیناً وہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے''۔ **(The Evidence of God p-51)**

اسی سے ملتی جلتی بات سر جیمز جینز (Sir James Jeanes) نے اپنی کتاب "Mysterious

"Universe p-133 میں کہی ہے۔

اب اگر یہ خیال کیا جائے کہ خدا کا بھی کوئی خالق ہوگا تو پھر خدا کے خالق کے خالق کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ سلسلہ لامتناہی ہونے کے ساتھ ساتھ ہر خالق کے خالق کا وجود اپنی ساخت کے اعتبار سے پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا چلا جائے گا۔ یوں یہ سوال خود بخود غلط ثابت ہو جائے گا۔ اس سوال کے غلط ہونے کی بنیادی وجہ کم علمی کی بنا پر خدا کو خالق تسلیم کرنے کی بجائے اسے بھی مخلوق تسلیم کرنا ہے حالانکہ مخلوق ہمارے مشاہدے میں ہے جبکہ خالق ہمارے مشاہدے میں نہیں۔

اب صرف دو ہی ممکنہ صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔(i)۔یا تو کائنات ہمیشہ سے ہے۔(ii)۔یا اسکو بنانے والا ہمیشہ سے ہے۔کائنات کو ہمیشہ سے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ واضح حقائق کو جھٹلاتے ہوئے جھوٹ پر بنیاد رکھ لی جائے۔پس سچائی کا نتیجہ صرف اور صرف یہی نکلے گا کہ کائنات کا خالق صرف ایک ہے اور وہ ہمیشہ سے ہے، ازلی ہے، حادث نہیں، اسی بات کی تصدیق لاکھوں سچے انبیاء کرام نے بھی کی اور اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید نے بھی کی۔باقی خدا کو ازلی ماننے پر اعتراضات اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کہیں کہ چینی میٹھی ہے تو کیوں میٹھی ہے، نمک کیوں نمکین ہے، کڑوی چیزیں کیوں کڑوی ہیں وغیرہ وغیرہ۔یوں اس سوال کے پہلے حصے کی صداقت نے دوسرے حصے کو خود بخود ثابت کر دیا ہے۔اب تیسری ممکنہ صورت کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں یہ خود بخود تخلیق ہو کر موجودہ صورت میں ڈھل گئی ہے، یہ ایسی بات ہے جسکا کوئی عقلمند شخص تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس بات کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔خدا ہمیں سچائی پر ثابت قدم رکھے۔(آمین)

جواب: دلیل نمبر۔۳

مذکورہ اعتراض کی بنیاد پر مذہب کے نام لیوا بعض طبقات پر تو سوال ضرور اٹھتا ہے لیکن اسکی بنا پر تمام مذہبی طبقات سمیت خدا اور مذہب کا انکار کسی طرح بھی انصاف پر مبنی نہیں۔یہ بات درست ہے کہ بعض مذہب کے نام لیواؤں کے حالات درست نہیں۔اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ خرابی مذہب میں ہے یا

سچے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہونے میں یا مذہب کی غلط سمجھ بوجھ (Wrong Interpretation) میں ہے۔ سب سے زیادہ مذہبی اور مذہب کے اولین پیروانبیائے کرام تھے جو ہمیشہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر زندگی بھر لوگوں کے فائدے کے لیے کوشاں رہے، لوگوں کو ظلم سے نجات دلاتے رہے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے رہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ ان لوگوں کی بنیاد انصاف پر رہی چنانچہ مائیکل ایچ ہارٹ جو یہودی تھا اس نے اپنی مشہور کتاب دنیا کے 100 عظیم آدمی (100 Greatest Men who influenced the Histroy) میں ہمارے پیارے رسول جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے نمبر پر رکھا۔ اگر مذہب میں خرابی ہوتی تو سارے کے سارے انبیاء کرام کبھی بھی اچھے نہ ہوتے۔ ہمارا یہ دعویٰ اور مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ جو صحیح اور سچے مسلمان (True Muslim) ہیں وہ پوری دنیا کے دیگر مذاہب کے لوگوں سے بہت بہتر ہیں۔ الحمدللہ چیدہ چیدہ ایسے لوگ آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ باقی جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے وہ انسانیت کے فائدے کی نہیں۔ اللہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ ظلم و زیادتی سمیت نسل انسانی کے لیے نقصان دہ کاموں کو ہوتا دیکھیں تو پیار محبت اور حکمت سے لوگوں کو منع کریں تا کہ وہ نقصان سے بچ سکیں۔

دیگر شبہات

شبہ نمبر: ۱ جدید ارتقاء یافتہ علم اور سائنس کی بنیاد پر یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ حقیقت صرف وہی ہو سکتی ہے جو تجربات اور مشاہدات میں آجائے جبکہ مذہب کی بنیاد ایسے تصور پر ہے جس کا تجربے اور مشاہدے سے دور دور کا کوئی واسطہ نہیں۔ جس چیز کی حقیقت کا مشاہدہ ہی نہ کیا جا سکے اس پر محض قیاس کی بنا پر ایمان رکھنا کوئی عقلمندی ہے؟

ازالہ: اگر غور کیا جائے تو شبہ نمبر۔ 1 کے تحت جس بنیاد پر مذہب اور خدا کا انکار کیا گیا ہے وہ استدلال درست نہیں کیونکہ جدید سائنس یا ارتقاء یافتہ علم خود بہت سی ایسی چیزوں کو تسلیم کرتا ہے جو براہ راست

مشاہدے میں نہ آسکیں۔مثال کے طور پر سائنس کی عمارت اس نظریے پر کھڑی ہے کہ تمام اشیاء ایٹم ، مالیکیولز پر مشتمل ہیں، جن میں الیکٹران، پروٹان، نیوٹران اور دیگر کئی ذرات پائے جاتے ہیں لیکن آج تک نہ ایٹم براہ راست مشاہدے میں آسکا ، نہ مالیکیول اور نہ ہی الیکٹران ، پروٹان ، نیوٹران وغیرہ دیکھے جا سکے۔اسکے باجود ان کے وجود کا ہمیں 100 فیصد یقین ہے کیونکہ بلا واسطہ طور پر سائنس نے دیگر مظاہر سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان ذرات کا وجود ہے جیسے :فوٹو الیکٹرک ایفیکٹ (Photo Electric Effect)، کامپٹن ایفیکٹ (Compton Effect) وغیرہ۔ بلب، ٹیوب لائٹ سے خارج ہونے والی روشنی اور برقی تاروں میں دوڑنے والی کرنٹ یہ بتلاتی ہے کہ ایسا کچھ ہے، اسی طرح بے شمار ایسی چیزیں قطعاًنا قابلِ مشاہدہ ہیں۔ڈاکٹر الکس کیرل اس حقیقت کو یوں تسلیم کرتے ہیں۔

''ریاضیاتی کائنات قیاسات اور مفروضات کا ایک شاندار جال ہے جس میں علامتوں کی مساوات (Equations of Symbols) پر مشتمل نا قابلِ بیان مجردات (Abstractions) کے سوا اور کچھ نہیں'' **(Man the Unknown, p-15)**

اسی طرح مینڈر (A.E.Mander) اس حقیقت کو یوں تسلیم کرتا ہے۔

''کائنات میں جو حقیقتیں ہیں، ان میں سے نسبتاً تھوڑی تعداد کو ہم حواس کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں پھر ان کے علاوہ جو اور چیزیں ہیں، ان کو ہم کیسے جانیں ، اس کا ذریعہ استنتاج (Inference) یا تعقل (Reasoning) ہے، استنتاج یا تعقل ایک طریق فکر ہے جس کے ذریعے ہم کچھ معلوم واقعات سے آغاز کر کے بالآخر یہ عقیدہ بناتے ہیں کہ فلاں حقیقت یہاں موجود ہے، اگر چہ وہ کبھی دیکھی نہیں گئی۔'' (Clearer Thinking London 1949, p-49)

یقینی نتائج:۔ مذکورہ ضروری وضاحت سے درج ذیل یقینی نتائج نکلے۔:

۱۔ جدید ارتقائی علم یا سائنس غائب چیزوں کا وجود ان کے نتائج واثرات کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں نا کہ ان چیزوں کے براہ راست مشاہدے سے۔

۲۔ سائنس دان کسی غائب چیز کو تسلیم کرنے سے پہلے ایک مفروضہ بناتے ہیں، جوں جوں حقائق منکشف ہوتے جاتے ہیں اور نتائج ظہور میں آتے جاتے ہیں سائنس کی پرانی توجیہات متشبہ اور مردود ہوتی جاتی ہیں۔

۳۔ کسی چیز کے حقیقت ہونے کے لیے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ وہ براہ راست ہمارے تجربے اور مشاہدہ میں آ رہی ہو۔

اگر آپ انصاف سے کام لیں! اگر آپ مذکورہ حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے انصاف سے کام لیں، خود اپنی ذات سمیت کائنات کی ایک ایک شے کے نتائج واثرات پر غور کریں تو کیا خدا کے وجود کو تسلیم کیے بغیر کوئی اور نتیجہ نکل سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ پس مذہب کی تشریحات عین حق ہیں ہزاروں برس گزرنے کے باوجود بھی جن کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ گزرنے والا ہر دن اللہ اور مذہب کی صداقت پر مہر ثبت کرتا چلا جا رہا ہے۔ آئیں حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ کے دامن کرم میں آ جائیں۔

شبہ نمبر:۲ جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات میں کوئی خدا نہیں۔ پرانے زمانوں میں علم محدود ہونے کی وجہ سے جب انسان واقعات کی صحیح توجیہ بیان نہ کر سکا تو اس نے خدا کا وجود فرض کر لیا لیکن جدید طریق مطالعہ نے اسے غلط ثابت کر دیا ہے۔ نیوٹن کے انکشاف کہ: کائنات کچھ ناقابلِ تغیر اصولوں میں بندھی ہوئی ہے۔ اشیاء کی حرکت، چاند سورج، ستاروں کی حرکت کچھ قوانین کے تحت ہو رہی ہے جنہیں قانون فطرت (Laws of Nature) کا نام دیا گیا ہے، مثال کے طور پر جب سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے متعلق انسان نہیں جانتا تھا تو اس نے سمجھ لیا کہ کوئی خدا ہے جو سورج کو نکالتا اور غروب کرتا ہے مگر جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ زمین کے گھومنے کی وجہ سے ہوتا ہے تو سورج کو نکالنے اور غروب کرنے کے لیے خدا کو ماننے کی ضرورت نہ رہی۔ یوں جدید دور کی ان دریافتوں نے اس تصور کو ختم کر دیا

ہے کہ کائنات کے پیچھے کوئی فعال خدا ہے جو اسے چلا رہا ہے۔ جولین ہکسلے لکھتا ہے۔

''نیوٹن نے دکھا دیا ہے کہ کوئی خدا نہیں ہے جو سیاروں کی گردش پر حکومت کرتا ہو، لاپلاس نے اپنے مشہور نظریے سے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ فلکی نظام کو خدائی مفروضہ کی کوئی ضرورت نہیں، ڈارون اور پاسچر نے یہی کام حیاتیات کے میدان میں کیا ہے اور موجودہ صدی میں علم النفس کی ترقی اور تاریخی معلومات کے اضافہ نے خدا کو اس مفروضہ مقام سے ہٹا دیا ہے کہ وہ انسانی زندگی اور تاریخ کو کنٹرول کرنے والا ہے''

(Religion without Revelation, New York, 1958, P-58)

ازالہ: سائنسی تحقیق کی بنیاد پر مذہب کے انکار کے لیے مذکورہ استدلال بالکل غلط ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس استدلال کا نتیجہ اللہ اور مذہب کے انکار کی بجائے پختہ اقرار کی صورت میں نکلتا ہے کیونکہ سائنسی تحقیق واقعات کی مزید تفصیل ہے نہ کہ اصل توجیہ۔ سائنس یہ تو بتلاتی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیا ہے لیکن سائنس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے مثال کے طور پر۔

ہمیں سائنس کی تحقیق سے اس بات کا علم تو ہو گیا کہ ہمارے پھیپھڑوں میں ہزاروں چھوٹی چھوٹی ہوا کی تھیلیاں ہیں جو ہوا سے آکسیجن کو علیحدہ کرتی ہیں لیکن سائنس نے اس بات کا جواب نہ دیا کہ گوشت خود بخود اسقدر موزوں ترین ہوا کی تھیلیوں میں آخر کیسے تبدیل ہو گیا؟ یہ تو معلوم ہوا کہ ہمارا دماغ انتہائی پیچیدہ مشین ہے جسکا مقابلہ دنیا کا سپر کمپیوٹر (Super Computer) بھی نہیں کرتا لیکن جدید علم یہ نہ بتلا سکا کہ گوشت خود بخود اس مشین میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ نظام دوران خون اور دل کی ساخت کا تو علم ہو گیا لیکن مادے کا ایسے بامعنی اور موزوں ترین نظام میں تبدیل ہونے کا جواب نہ مل سکا؟ یہ تو معلوم ہوا ہے کہ ہمارا بیج مادہ منویہ (سپرم) اپنی دم کی وجہ سے حرکت کرتا ہوا رحم مادر تک پہنچ پایا لیکن اس سے بڑے سوال کا جواب نہ مل سکا کہ اسکی ضرورت کے مطابق اسکو دم خود بخود کیسے لگ گئی۔ پرانے زمانے کے لوگ یہ درست تصور رکھتے تھے کہ چوزہ جو گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ نہیں ہوتا اسے مضبوط خول سے اللہ باہر نکالتا ہے لیکن

جدید سائنس نے خوردبینی مشاہدے سے بتلایا کہ ۲۱ روز بعد چوزے کی چونچ پر نہایت باریک اور تیز نوک دار سینگ ظاہر ہوتا ہے جسکی مدد سے چوزہ خول کو توڑ کر باہر نکل آتا ہے جب بچہ باہر آجاتا ہے تو چونچ کی نوک چند دن بعد خود بخود جھڑ جاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اب اس تصور کی ضرورت نہیں رہی کہ خدا چوزے کو خول سے باہر نکالتا ہے۔ اگر سوچا جائے تو اس مشاہدے سے صورتحال میں جو تبدیلی ہوئی وہ محض اتنی ہے کہ جو سوال خول کے ٹوٹنے کے بارے میں تھا وہ چوزے کی سینگ کے اوپر جا کر ٹھہر گیا جس سے صورت حال پہلے سے بھی زیادہ تشویشناک ہوگئی ہے۔ پس سائنس نے واقعات کی کچھ وضاحت تو ضرور کی ہے لیکن آخری توجیہ اور اصل سبب کے بارے میں کچھ نہیں بتلایا۔ قوانین حرکت سمیت کائنات میں موجود قوتوں (Forces) کا علم تو ہوا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ موزوں ترین قوانین جو کائنات کے وجود میں آنے اور اسے قائم رکھنے کا سبب ہیں وہ خود بخود کیسے وجود میں آ گئے ۔ یوں اس جدید تحقیق نے سوچنے والوں کو ورطہء حیرت میں ڈالتے ہوئے اللہ پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود کیسے وجود میں آ کر قائم ودائم ہو گیا۔ اسکا جواب اللہ تعالی نے قرآن مجید میں دیا، ارشاد فرمایا۔

﴿وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً مِّنَ الۡاَرۡضِ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ﴾ (روم:30، آیت:25)

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں ہے (یہ حقیقت) کہ قائم ہیں آسمان اور زمین اُسکے حکم سے، پھر وہ جب تمھیں آواز دے گا تو ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ''

اس حقیقت پر ایمان مزید پختہ کرنے کے لیے کہ اس کائنات کو خدا نے بنایا اور وہی اس کارخانہ قدرت کو چلا رہا ہے ہم سائنس کے مصدقہ قانون ''ضابطہ ناکارگی'' (Law of Entropy) کی بنیاد پر چند نا قابل تردید ثبوت پیش کرتے ہیں۔

ضابطہ ناکارگی (Law of Entropy)

اس قانون کو سمجھنے کے لیے ایک عام فہم مثال سے مدد لیتے ہیں،،مثال کے طور پر ایک ٹرے میں کچھ بال سفید، کچھ سرخ، کچھ نیلے، کچھ سیاہ وغیرہ علیحدہ علیحدہ رکھ کر ٹرے کو ہلایا جائے تو مختلف رنگوں کے یہ بال آپس میں مکس (Mix) ہونا شروع ہو جائیں گے، جتنا زیادہ ہلائیں گے اتنا زیادہ آپس میں مل جائیں گے اور یہ ممکن نہیں کہ ہلاتے رہنے سے ہر رنگ کے بال ابتدائی صورت حال کی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ناکارگی بڑھ رہی ہے۔یہ فطرت کا قانون ہے کہ نارکارگی ہمیشہ یا تو مسلسل بڑھتی رہتی ہے یا کم از کم مستقل یعنی کسی خاص حالت میں رہتی ہے یہ خود بخود کم نہیں ہوتی یعنی اسے الٹا نہیں چلایا جاسکتا۔اسے کم کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ کوئی بیرونی قوت مداخلت کرے یعنی باہر سے کوئی ہاتھ ڈال کر پھر سے مختلف رنگوں کے بال چن کر علیحدہ علیحدہ رکھ دے۔اب اس تصدیق شدہ حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کائنات پر غور کریں تو آپ اپنے اللہ تک خود بخود پہنچ جائیں گے۔

غور کریں کہ: کیا مکئی کی چھالیہ پر ایک ترتیب سے دانے بغیر کسی بیرونی مداخلت کے خود بخود بن گئے ہیں، درختوں پر خاص ترتیب (Order) سے شاخوں کا نکلنا، پتیوں کا لگنا، پھولوں میں حیرت انگیز پتیوں کی بے شمار نئے نئے ڈیزائن کے تحت ترتیب بغیر کسی بیرونی مداخلت کے خود بخود قائم ہوگئی ہے، سورج، چاند، زمین اور دیگر سیاروں کا مخصوص مداروں میں گردش کرتے ہوئے قانون اور ضابطے کی پابندی کرنا، دن رات کا شیڈول کے مطابق آنا جانا کسی بیرونی لامحدود طاقت کے عمل دخل کے بغیر ممکن ہوگیا ہے؟ تمام اشیاء کی انتہائی پیچیدہ مقصدیت بھری ساخت کیا خود بخود وجود میں آگئی ہے؟ آنکھوں کی پلکوں کی کناری پر ترتیب سے بال کیا خود بخود آگئے ہیں؟۔

اگر ہم ضابطہ ناکارگی کو مانتے ہیں تو پھر ان حقائق کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ کیا وجہ ہے کہ قدرتی عوامل کی اندھی طاقتیں ہمیشہ ایسی سمت عمل کرتی ہیں جو انہیں مقصدیت اور افادیت سے بھرپور انجام کی طرف لے جاتی ہیں کہ مادہ خود بخود دیکھنے والی آنکھوں میں تبدیل ہو جائے، دانتوں میں تبدیل ہو جائے کہ خوراک کھائی جاسکے، ہڈیوں کے جوڑ بن جائیں کہ حرکت کی جاسکے، مچھلیوں کو چپو (Fins) لگ جائیں،

جانوروں کو پر لگ جائیں کہ اڑ سکیں، درختوں کی لکڑی میٹھے خوش ذائقہ پھلوں میں تبدیل ہوجائے کہ ہم اسے کھا سکیں، زمین کی مٹی اور سورج کی روشنی خود بخود گندم، چاول، دالوں اور سبزیوں میں تبدیل ہوجائے کہ ہم اس سے اپنی حاجت پوری کر سکیں۔ افسوس ہے ہم پر اگر ہم ان بے شمار چیزوں سے استفادہ کریں اور جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے اسے تسلیم ہی نہ کریں اور آنکھیں بند کرلیں۔

ایک عیسائی عالم نے کہا تھا: "Nature is a Fact, not an Explanation"

''یعنی فطرت کا قانون ایک واقعہ ہے، وہ کائنات کی توجیہہ نہیں''

ایک امریکی عالم حیاتیات "Cocil Boyce Hamann" نے کیا خوب کہا:

''غذا ہضم ہونے اور اس کے جزو بدن بننے کے حیرت انگیز عمل کو پہلے خدا کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، اب جدید مشاہدہ میں وہ کیمیائی ردِعمل کا نتیجہ نظر آتا ہے، مگر کیا اس کی وجہ سے خدا کے وجود کی نفی ہوگئی، آخر وہ کون سی طاقت ہے جس نے کیمیائی اجزاء کو پابند کیا کہ وہ اس قسم کا مفید ردِعمل ظاہر کرسکیں، غذا انسان کے جسم میں داخل ہونے کے بعد ایک عجیب وغریب خودکار انتظام کے تحت جس طرح مختلف مراحل سے گزرتی ہے، اس کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل خارج از بحث معلوم ہوتی ہے کہ یہ حیرت انگیز انتظام محض اتفاق سے وجود میں آگیا ہو، حقیقت یہ ہے کہ اس مشاہدہ کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگیا ہے کہ یہ مانیں کہ خدا اپنے ان عظیم قوانین کے ذریعے عمل کرتا ہے، جس کے تحت اس نے زندگی کو وجود دیا ہے''۔

(The Evidence of God in Expanding Universe, p.221)

کیا یہ حقیقت نہیں؟ یہ جو کچھ آپ نے ملاحظہ کیا، انصاف سے فیصلہ کریں کیا یہ حقیقت نہیں؟ کیا ان واضح دلائل کی اسکے سوا کوئی اور توجیہہ ممکن ہے کہ کائنات اور اس میں موجود قوانین کو کسی نے بنایا ہے اور وہی اسے چلا رہا ہے؟

شبہ نمبر: ٤ جب انسان مرکر مٹی ہوجائے گا، اسکے اجزاء گل سڑ جائیں گے، وجود ختم ہوجائے گا، پھر

سے انسان کا دوبارہ زندہ ہو جانا خلاف عقل بات ہے۔

ازالہ: خدا، مذہب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا یہ بہت پرانا وہم ہے جو صدیوں سے چلتا آ رہا ہے۔ اس وہم کا شافی علاج ہمارے اور آپکے خالق نے اپنی کتاب قرآن مجید میں نہایت عمدہ طریقہ سے یوں کیا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴾(سورہ الروم:30،آیت:27)

ترجمہ: ''وہی ہے جو ابتدا کرتا ہے تخلیق کی پھر وہی اسکا اعادہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور اسی کی شان بہت بلند ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے ''۔

اگر کسی نے بات تسلیم کرنی ہو تو اللہ نے اسکے وہم کے علاج کے لئے بہت بڑی دلیل دے دی ہے، یعنی جب سرے سے انسان کا وجود ہی نہ تھا اسے وجود دینے کے لئے آنکھ سے نہ نظر آنے والا سپرم تخلیق کیا اور اُسے پورے انسان میں تبدیل کر دیا جو کہ بذات خود عقل میں نہ آنے والی بات ہے۔ پہلی دفعہ پیدا کرنا یقیناً کسی چیز کے اعادہ کرنے سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا اعادہ کرنا اس کے لئے کون سا مشکل کام ہے۔ انسانی اعضاء گل سڑ کر جن ذرات میں تبدیل ہو رہے ہیں وہ اللہ کے علم میں ہیں، دوبارہ تخلیق کے لئے ان میں سے جس چیز کی بھی ضرورت ہوئی وہ اس کو حکم کرے گا وہ جہاں بھی ہوئی اپنے خالق کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے دوبارہ سے انسان کو تشکیل دے دے گی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ﴾(سورہ ق:50،آیت:4)

ترجمہ: ''زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب کچھ یاد رکھنے والی کتاب میں موجود ہے''۔

وہ لوگ جو آخرت کے انکاری ہیں وہ یقیناً اس موجودہ زندگی کا اقرار کرتے ہیں، پھر جو زندگی ایک بار ممکن ہے وہ دوسری بار کیوں واقع نہیں ہو سکتی، آخرت کا انکار بذات خود بہت بڑی خلاف عقل بات ہے کہ ایک واقعہ کو حال میں تسلیم کیا جائے مگر مستقبل کے لئے اُسی واقعے کا انکار کر دیا جائے۔

شبہ نمبر:۵ لوگوں کی کثیر تعداد بغیر خدا اور مذہب کے پُرسکون اور کامیاب زندگی بسر کر رہی ہے ان کی زندگی خدا اور مذہب پر ایمان رکھنے والوں سے بہتر ہے تو پھر خدا اور مذہب کے اقرار کی آخر کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟۔

ازالہ: اس وہم کا شکار ہونے کی بنیادی وجہ حقائق سے بے خبری ہے۔کسی مشین کے صحیح طور پر چلنے کے لئے کن شرائط (Conditions) کی ضرورت ہے اس کا صحیح علم اس مشین کے بنانے والوں کو ہوتا ہے۔ انسان بہت پیچیدہ مشین ہے۔اس کی کامیابی و ناکامی کا انحصار کن عوامل پر ہے اس کا صحیح علم اس کے خالق کے پاس ہے اور اس کے وضع کردہ قواعد وضوابط کی پابندی کئے بغیر انسان حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ خالق نے یہ قوانین مذہب کی صورت میں نافذ کئے ہیں۔ جو بات ہم نے بیان کی اسکی سچائی کی تصدیق کے لئے صرف ایک مثال پرغور کریں۔ خدا اور مذہب سے بے نیاز ہوکر جو قوانین لوگوں نے بنائے ہیں ان کے مطابق کسی وجہ کے بغیر کسی چیز کو جرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔مثال کے طور پر بدکاری کے جواز پر یہ دلیل دی گئی ہے کہ کسی کے مال پر زبردستی ڈاکہ ڈالنا تو جرم ہے لیکن اگر کوئی اپنی رضامندی اور خوشی سے اپنا مال کسی پرخرچ کرنا چاہے تو یہ کوئی جرم نہیں اسلئے زنا بالجبر تو جرم ہوگا لیکن باہمی رضامندی کو کیسے جرم قرار دیا جائے۔یوں انسانی قانون کے مطابق بدکاری اصلاً جرم نہیں بلکہ جبر واکراہ جرم ہے۔اب ذرا اللہ اور مذہب سے بے نیازی کے نتائج پر تھوڑا سا غور فرمائیں۔

ایسے معاشروں میں بدکاری کے ارتکاب کی وجہ سے زبردست فساد پھیل چکا ہے،لوگوں پر شہوت پرستی کا بھوت سوار ہو چکا ہے، رشتہ نکاح کمزور ہو چکا ہے، ناجائز اولاد کے پیچیدہ مسائل پیدا ہو چکے ہیں، سطحی لذت کی خاطر معاشرے میں جھوٹ اور خیانت رواج پا چکی ہے،میاں بیوی ایک دوسرے سے چوری چھپے بدکاری کا ارتکاب کرتے ہیں، راز فاش ہونے پر علیحدگی کی نوبت آجاتی ہے، پورے معاشرے کے دل ودماغ گندے ہو چکے ہیں اسکے باوجود قانون اسے کوئی سزا نہیں دے سکتا، کیونکہ اس کے پاس اسے جرم قرار دینے کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔یوں لوگ اپنے قانون کے ہاتھوں خود سزا بھگت رہے ہیں۔

تقریباً اسی طرح کی صورت حال اکثر معاملات میں ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ اور مذہب سے بے نیاز ہو کر انسان نہ حقیقی خوشیاں حاصل کر سکتا ہے اور نہ کامیاب زندگی بسر کر سکتا، ڈاکٹر فرائڈ مین نے اس حقیقت کا یوں اعتراف کیا:

''ان مختلف کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انصاف کے حقیقی معیار کو معین کرنے کے لئے مذہب کی رہنمائی حاصل کرنے کے سوا دوسری ہر کوشش بے فائدہ ہوگی اور انصاف کی مثالی تعداد کو عملی طور پر متشکل کرنے کے لئے مذہب کی دی ہوئی اساس بالکل منفرد طور پر حقیقی اور سادہ بنیاد ہے'' **(Legal Theory, p-450)**

وہ قومیں جو مذہب اور خدا سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کر رہی ہیں، وہاں بظاہر عارضی خوشیاں اور خواہشات کی تکمیل تو نظر آتی ہے لیکن وہ اور بہت سی قباحتوں کی لپیٹ میں آ چکی ہیں اور آرزؤں کی تکمیل نہ ہونے پر بعض لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ پھر محض یہی زندگی تو نہیں اصل زندگی تو اسکے بعد شروع ہونے والی ہے، یہ چند ایام تو آزمائش کے لئے دیئے گئے ہیں جس کا نتیجہ ہمیشہ کی زندگی کی صورت میں ضرور نکلے گا۔

دوسری طرف اگر خدا اور مذہب پر ایمان رکھنے والوں کے حالات ابتر ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اُنہوں نے دین کو نہ صحیح طور پر سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا۔ انفرادی طور پر ہم بہت سے ایسے لوگوں کی زندگی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جنہوں نے خدا اور دین کو حقیقی معنوں میں سمجھا اور اپنایا، ان کی زندگی نہائت پُرسکون اور کامیاب ہے۔ ان کے پاس اگر مال کی فراوانی ہے تب بھی خوش ہیں اور اگر تنگدستی ہے تب بھی دِلی سکون اُن کو میسر ہے، ایسا سکون جو مال کی فراوانی اور خواہشات کی تکمیل سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ اور مذہب کے بغیر انسان کبھی حقیقی خوشیاں حاصل نہیں کر سکتا۔

خدا پر ایمان رکھنے والا شخص لوگوں کے ڈر سے نہیں بلکہ خدا کے ڈر سے اپنی زندگی کو راہ راست پر گامزن کرتا ہے یوں اسکی خلوت وجلوت دونوں درست راستے پر متعین رہتے ہیں کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اللہ اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

شبہ نمبر:٦ زمانہ آگے کو جا رہا ہے جدید دریافتوں نے انقلاب برپا کر دیا ہے، ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے جدید سائنس اور علوم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ ہر دن کمپیوٹرز وغیرہ کے نئے نئے ماڈل متعارف ہو رہے ہیں۔ جدید چیزیں پرانی چیزوں کی جگہ لیتی جا رہی ہیں جبکہ مسلمانوں نے ابھی تک 1400 سال پرانی کتاب کو تھاما ہوا ہے اور آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں 1400 سال پرانی کتاب لوگوں پر لاگو (Apply) کی جا رہی ہے۔

ازالہ: اس وسوسے کے شکار لوگوں سے صرف اتنی عرض ہے کہ انصاف سے فیصلہ کریں کہ کیا ۱۴۰۰ سال پرانی کتاب کی تعلیمات آج کے جدید ترقی یافتہ علوم سے ہم آہنگ نہیں؟ ہزاروں سال کی تحقیق سے جو سائنسی دریافتیں ہمارے سامنے آئیں ان کا اس کتاب میں پہلے سے موجود ہونا اس امر کی یقینی گواہی دیتا ہے کہ یہ کتاب انسان کی لکھی ہوئی نہیں جو وقت کے ساتھ پرانی ہو جائے بلکہ یہ خالق کی نازل کردہ ہے۔

شبہ نمبر:۷ کائنات میں اگر کوئی خدا ہوتا تو لوگ ظلم و بربریت کا شکار نہ ہوتے جب رزق کا ذمہ خدا نے لیا ہے تو لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں؟ کوئی خدا ہوتا تو ضرور ان کو رزق دیتا۔

ازالہ: اس وہم کا شکار ہونے کی بنیادی وجہ غلط فہمی ہے، لوگ اس بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہر بندے تک رزق پہنچانا خدا کی ذمہ داری ہے۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سارے کام اپنے ذمے لیے ہیں تو کچھ کام لوگوں کے ذمے بھی لگا دیئے ہیں تا کہ ان کی آزمائش ہو سکے۔ ہر مخلوق کے لیے رزق پیدا کرنا اور مخلوقات کو اپنے رزق کی پہچان اور اسے ہضم کرنے کا نظام دینا رب کی ذمہ داری ہے۔ کیا اس نے جانوروں کے لیے گھاس اور چارہ پیدا نہیں کیا؟ گوشت خوروں کے لیے گوشت پیدا نہیں کیا؟ سانس لینے اور پینے کے لیے وافر ہوا اور پانی پیدا نہیں کیا؟ انسان کے لیے ہر قسم کی غذا، اناج، پھل، سبزیاں وغیرہ پیدا نہیں کیں؟ چھوٹے سے چھوٹے وائرس سے لے کر بڑے سے بڑے جانوروں تک کے لیے ان کی غذا پیدا نہیں کی؟ حالانکہ ایک غذائی ذرہ تمام مخلوقات مل کر بھی تخلیق نہیں کر سکتیں۔ اگر ہم اللہ کے احکامات پر عمل کرتے، زکوۃ دیتے، غریبوں کا خیال رکھتے، دوسروں کی خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تو ہر ایک تک مطلوبہ خوراک

پہنچ جاتی۔اس کے برعکس اگر ہم ذاتیات تک محدود ہو جائیں انسان انسان کے دشمن ہو جائیں۔لوگوں سے رزق کے نوالے چھیننے کے لیے ذخیرہ اندوزی شروع کر دیں۔جائز و ناجائز طریقے سے اپنا پیٹ بھرنے کی فکر میں لگ جائیں تو ان حالات میں اگر کچھ لوگ بھوکے رہ جائیں تو اس کا ذمہ دار اللہ کو ٹھہرا دینا کتنے بڑے ظلم اور ناانصافی کی بات ہے۔کاش ہم عقل سے کام لیتے۔

ہم طوالت کے ڈر سے اپنے آپ کو انہیں دلائل تک محدود رکھتے ہیں اور تمام لوگوں سے گزارش کرتے ہیں کہ جتنا ہم نے دنیا کو سنجیدگی سے لیا ہے کم از کم اتنا آخرت کو بھی لیں تا کہ آپ حق تک پہنچ جائیں۔ایک دفعہ پھر سے خدا اور مذہب پر یقین نہ رکھنے والوں کے لیے قرآن مجید کی چند آیات بطور عبرت پیش خدمت ہیں،غور کریں اور دیکھیں کہ سچائی کی کرنیں کس طرح اس کتاب سے پھوٹ رہی ہیں۔

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ○ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○﴾ (سورہ یٰسین:36،آیت:40-33)

ترجمہ:’’اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے اناج نکالا جس کو یہ لوگ کھاتے ہیں،اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیئے اور ان میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیئے تا کہ لوگ اسکے پھل کھائیں اور ان کو ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنایا،پھر یہ کیوں شکر گزاری نہیں کرتے۔؟ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں یا خود ان کے نفس،خواہ وہ چیزیں جنہیں یہ نہیں جانتے اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس میں سے ہم کھینچ لیتے

ہیں دن کو تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج کے لیے جو راہ مقرر کی وہ اسی پر چلتا رہتا ہے، یہ ہے پابند کیا ہوا غالب اور علم والے اللہ کا، اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور یہ سارے کے سارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں"

آخری گزارش!

آخر پر یہ سوچیں کہ اس بات کا کتنے فیصد امکان ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ چیزیں خدا کے علاوہ کسی نے اندازے سے بیان کر دی ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۴۰۰ سال قبل صحرائے عرب میں رہنے والا شخص اپنے جسم سمیت دیگر زندہ اشیاء کے متعلق کیا اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کس چیز سے بنی ہیں۔ اسکا اندازہ گوشت، خون، چربی، لکڑی، ریت، پتھر یا دیگر عناصر ہو سکتا تھا لیکن قرآن مجید کی سورہ النور، آیت ۴۵ میں زندہ اشیاء کی تخلیق پانی سے بتلائی گئی۔ کیا ایسی درست خبر خالق کے علاوہ کوئی اور بیان کر سکتا ہے؟۔ اسی طرح پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے، اس خوف سے وہ دور دراز کا سفر نہ کرتے کہ کہیں اسکے کناروں سے باہر نہ نکل جائیں۔ قرآن مجید نے یہ بتلایا کہ یہ بیضوی ہے جبکہ اسکی کئی ممکنہ شکلیں چپٹی، چوکور، تکون، شش پہلو، ہشت پہلو.. وغیرہ ہوسکتیں ہیں۔ امکانی تھیوری (Probability) کے مطابق اس بات کا امکان تقریباً صفر ہے کہ ایک ہی دفعہ اندازے سے درست بات بیان ہو جائے۔ اسی طرح قرآن مجید کے بیان کردہ بے شمار حقائق پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے۔ تو کیا ہم اب بھی ایمان نہ لائیں گے؟ آئیں ہم سب سچائی کا دامن تھامتے ہوئے انصاف سے فیصلہ کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک، اسکے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حق و باطل میں فرق کرنے والی آخری آفاقی اور الہامی کتاب قرآن مجید پر ایمان لے آئیں۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

باب ۸

ہمیں کس لیے پیدا کیا گیا؟

اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کر چکے ہیں تو اس یقینی حقیقت تک ضرور پہنچ چکے ہوں گے کہ انسان سمیت پوری کائنات اللہ جل جلالہ نے تخلیق کی ہے۔ یہ ہرگز خود بخود نہیں بنی۔ کائنات میں موجود چیزوں میں پائی جانے والی حکمت و معنویت یہ بتاتی ہے ان کو کسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔ انسان کا کائنات میں اشرف المخلوقات ہونا، اس بات کا متقاضی ہے کہ اسکی تخلیق سب سے زیادہ با مقصد اور با معنی ہے۔ موجودہ معاشرے میں نمو پانے والا انسان جب شعور کو پہنچتا ہے تو اسکو اپنی زندگی کا مقصد اچھا کھانا پینا، رہنا سہنا، اچھی ملازمت حاصل کرنا، مال و دولت حاصل کرنا اور دنیا کی زندگی میں کامیاب ہونا ہی نظر آتا ہے اور اسکے گھر والے بھی اسے یہی بتلاتے ہیں اور اسی رستے پر چڑھانے کے لیے تگ و دو کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے حالات اور صلاحیتوں کے مطابق اس مقصد کے حصول میں اپنی زندگی لگانے کا عہد کر لیتا ہے۔

اگر کسی پر حقیقت آشکار نہ ہوسکی ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ پودے، جانور، انسان خود بخود قدرتی نظام کے تحت پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ سورج، چاند وغیرہ قوانین کے تحت خود بخود رواں دواں ہیں تو ایسے شخص کو تو اپنی خواہشات کی تکمیل کے سوا کوئی اور مقصد نظر نہیں آئے گا۔ لیکن حقیقت سمجھ آجانے والوں کے لیے یہ مقصد کافی نہیں رہتا۔ حقائق سے آگاہی انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ کائنات اسکی خدمت میں کیوں لگی ہوئی ہے۔'' گائے اور بھینس اس کے لیے دودھ بنانے میں مصروف ہیں۔ گھوڑا، گدھا اور خچر اسکی خدمت کے لیے آمادہ ہیں۔ شہد کی مکھیاں اسکے لیے شہد بنانے میں مصروف عمل ہیں۔ زمین اس کے لیے

طرح طرح کے اناج اور پھل بنانے میں لگی ہوئی ہے۔مرغیاں اس کے لیے انڈے بنا رہی ہیں۔گوشت کے حصول کے لیے جانور اسکے قابو میں دے دیئے گئے ہیں۔بیکٹیریا اس کے لیے دودھ کو دہی میں تبدیل کر رہے ہیں تا کہ اسے مکھن اور گھی میسر آ سکے۔آسمان سے اس کے لیے بارش برسائی جا رہی ہے۔زمین نے مناسب کشش ثقل سے آدمی کو پکڑا ہوا کہ کہیں یہ کائنات کی لامحدود وسعتوں میں غائب نہ ہو جائے۔آگ اس کے لیے کھانے پکانے کے لیئے آمادہ ہے۔سورج اسے روشنی اور حرارت دینے میں مصروف ہے۔چاند بھی اس کے کام میں لگا ہوا ہے۔زمین نے اپنے پیٹ میں لوہا،تانبا،پیتل،سونا چاندی جیسی دھاتوں کو محفوظ کیا ہوا ہے تا کہ یہ اس سے مکانات،دروازے،کھڑکیاں،گاڑیاں کمپیوٹرز،ہوائی جہاز اور دیگر مشینیں بنا سکے۔غرض کہ کائنات کی ہر شے انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے''۔یہ حقائق اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ انسان کو بنانے کا مقصد بہت بڑا ہے۔

کائنات میں پیدا کی جانے والی چار قسم کی مخلوقات (۱) فرشتے (۲) جن (۳) انسان (۴) حیوان ہیں۔فرشتوں کو عقل دی لیکن شہوات نہ دیں۔انہیں نافرمانی یا گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔یہ اللہ کے حکم کو ماننے پر مجبور ہیں۔انسان اور جن کو عقل اور شہوات دونوں دیں جبکہ حیوانوں کو شہوات دیں تا کہ وہ کھاتے پیتے رہیں اور انسان کے کام آئیں۔انسان اور جن کو بنانے کا بنیادی مقصد ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا تھا جو اللہ کے رستے کو اپنانے میں مجبور نہ ہو۔آزادی سے اللہ کے رستے کو اپنا سکے۔یوں اللہ جل جلالہ نے انسان کو تخلیق کر کے اچھے اور برے رستے کی پہچان اسکے اندر ودیعت کر دی جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾(سورہ الدھر:76،آیت:3)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے انسان کو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کر دی ہے۔چاہے تو تسلیم کرے اور چاہے تو کفران نعمت کرے''

انسان کے ذہن میں حق کی پہچان کی روشنی ڈال کر،حق اور باطل کا فرق واضح کرنے کے لیے الہامی کتابیں نازل کر کے انسان کو اسکی آزادی دے دی کہ جس رستے کا چاہے اپنے لیے انتخاب کرے۔انسان کی یہ

عظمت وفضیلت ہے کہ خالق نے پوری کائنات میں سے صرف انسان کو اپنے عظیم کام کے لیے منتخب فرمایا کہ وہ احکامات الٰہی پر خود عمل پیرا ہو کر اسے دوسروں تک پہنچائے۔ انسان نے چونکہ کبھی سوچا ہی نہیں کہ مجھے بنانے والا اور نعمتیں دینے والا کوئی اور ہے اس لیے وہ اپنے فرض کو بھول بیٹھا ہے اور اپنے خالق کی فائدے کی بات ماننے کی بجائے دشمن شیطان کی بات مانتا ہے جو ہمیشہ اسے گھاٹے کی طرف بلاتا ہے۔ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ محض دنیا کے لئے پیدا ہوا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص کام کے لئے بنایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾(سورہ المومنون:23،آیت:115)

ترجمہ: ''کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے''

اللہ تعالیٰ نے انسان کے بنانے کے مقصد کو قرآن مجید میں کئی جگہ واضح کیا ہے، جیسے فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ، الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ﴾(سورۃ الملک آیت:2-1)

ترجمہ: '' بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ (اللہ ہی ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے اعمال کرتا ہے''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾(سورہ الذاریٰت:51 آیت:56)

ترجمہ: ''اور نہیں ہے جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد سوائے اسکے (کوئی اور) کہ وہ میری بندگی کریں''۔

اور بندگی سے مراد غلامی اختیار کرنا اور اللہ کے احکامات کے سامنے خوش دلی سے سرنگوں ہو جانا ہے۔

کیا واقعی ایسا ہے؟

ان آیات کو جب انسان سنتا ہے تو اسے یقین نہیں آتا کہ کیا واقعی ہمیں بنانے کا مقصد یہ ہے؟ یہ تعجب اس لیے ہوتا ہے کہ جس معاشرے میں ہم نے آنکھیں کھولیں وہاں یہ کام بطور مقصد حیات نظر نہ آیا۔ اسکے برعکس زندگی کا اصل مقصد خواہشات کی تکمیل ہی نظر آیا۔ لہذا اب جبکہ اللہ نے آپ پر خصوصی فضل فرماتے ہوئے رسمی اور پیدائشی ایمان سے ہٹ کر آپکو عقل وبصیرت پر مبنی یقین کی دولت سے نوازا ہے اور آپکو حقیقت سے آگاہی دے دی ہے تو اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اللہ کی بات کو اہمیت دیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اللہ جل جلالہ کی منشاء کو سمجھنے سے غافل رہنا یقیناً اللہ جل جلالہ کی ناشکری اور خلاف عقل بات ہے۔

یہ وقت گزر جائے گا!

آپ اپنی زندگی کو غفلت میں گزاریں اور خواہشات کی تکمیل میں لگے رہیں یا اللہ کی فرمانبرداری میں، جو دن آپ پر طلوع ہوا اس نے رات میں تبدیل ہو ہی جانا ہے اور ان دنوں کے مجموعے کا نام زندگی ہے۔ ہر انسان نے اپنے حصے کا وقت پورا کرنا ہے۔ یہ وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔

سابقہ زندگی پر نظر دوڑائیں تو بیتے ہوئے کئی سال اک خواب محسوس ہوتے ہیں۔ کل کی بات ہے کہ ہم بچے تھے، جوان ہوئے اور بڑھاپے کیطرف رختِ سفر باندھے ہوئے ہیں۔ آئندہ آنے والا وقت بھی یونہی ختم ہو جائے گا۔ جن لوگوں کی ہزار ہزار سال عمریں تھیں وہ بھی یہاں نہ رہے تو کیا ہم رہ جائیں گے؟ اس بامقصد زندگی کا ایک دن ضرور نتیجہ نکلے گا۔ ہم سب ایک دن اللہ کی بارگاہ میں حساب کے لیے پیش کیے جائیں گے۔ حساب کے طویل دن کے سامنے دنیا کی زندگی کے کئی سال ایک دن کے برابر محسوس ہوں گے جسکا تذکرہ قرآن مجید میں یوں ہوا:۔

﴿ قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ، قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَاسۡـَٔلِ

الْعَآدِّیْنَ﴾(سورہ المومنون:23،آیت:113-112)

ترجمہ:''(بروز قیامت)اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا گنتی کے کتنے برس زمین پر رہے؟ وہ عرض کریں گے ایک دن یا دن سے بھی کم (بے شک آپ) حساب رکھنے والوں سے پوچھ لیں''

وقت سے پہلے بیدار ہونے کی ضرورت! ضرورت اس بات کی ہے کہ ان حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے وقت سے پہلے بیدار ہوا جائے اور اس امتحان کی زندگی میں اپنی ذمہ داریاں پوری کی جائیں، وقت گزر جانے کے بعد رزلٹ نکلنے کے وقت بیدار ہونا یقیناً پچھتاوے کا باعث ہوگا۔ بروز قیامت جب لوگ اپنا جرم تسلیم کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

﴿قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(سورہ المومنون:23،آیت:114)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو، اے کاش تم اس بات کو پہلے جان لیتے''

ہمیں کس چیز کا خوف ہے! دنیا میں انسان دنیاوی نقصان کے اندیشے کے باعث اللہ ﷻ کے رستے کو نہیں اپناتا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میری آزادی سلب ہوگی۔ مجھ پر پابندیاں لگیں گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے جو ضابطہ حیات اللہ ﷻ نے دیا ہے وہ انسان کے فائدے کے لیے ہی ہے دنیا و آخرت کی بہتری اللہ ﷻ کے ضابطوں کے تابع رہ کر زندگی گزارنے میں ہے۔ ان میں یقینی فائدے ہیں، نقصان نہیں، پھر دنیا کے تو چند روز ہم جیسے چاہیں گزار لیں گزر ہی جاتے ہیں تو آخرت کی ہمیشہ کی طویل زندگی کو داؤ پر لگانا کیا فائدے کی بات ہے؟

یہ یقینی بات ہے کہ اللہ ﷻ کے احکامات اور اسکی یاد سے محروم قلوب کو حقیقی اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا ظاہری اور عارضی خوشیوں کے ساتھ ساتھ دل بے اطمینانی اور قلق و اضطراب کی کیفیت میں رہتا ہے اور دنیا کی ہزاروں نعمتیں بھی حقیقی خوشی و مسرت نہیں دلا سکتیں۔ رب سے دور رہ کر انسان کو تسکین نہیں مل سکتی، اللہ کو دل میں بسانے سے انسان کو حقیقی اطمینان نصیب ہوتا ہے، ظاہری حالات اچھے ہوں یا

بُرے انسان کو زیادہ متاثر نہیں کرتے اس لیے اللہ کے ساتھ تعلق نہ صرف آخرت بلکہ دنیاوی کامیابی کے لیے بھی نہایت ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خبردار کیا ہے کہ:۔

﴿اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾ (سورہ الرعد:13،آیت:28)

ترجمہ: ''(خبردار!) آگاہ ہو جاؤ دلوں کا اطمینان صرف اللہ کی یاد سے ہے''

جسطرح کھانے کی طلب انسان میں رکھی گئی ہے اور بغیر کھائے سکون نہیں ملتا، اسی طرح اللہ جل جلالہ کی طلب بھی ہمارے اندر موجود ہے جسکی پیاس ہمارا جسم محسوس کرتا رہتا ہے اور اسکی یاد دل میں بسانے سے حقیقی سکون نصیب ہو جاتا ہے۔

ہمیں کیا کرنا ہے!!

ان لوگوں کے لیے جنہیں اپنے فائدے اور نقصان کی پہچان ہوگئی ہے۔ان میں یقیناً سب سے بڑی خواہش یہ پیدا ہو چکی ہوگی کہ ہمیں کامیاب ہونے کے لیے،اپنے خالق کو راضی کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کا ضابطہ دیا ہے جسکے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔جس نے ہمیں بنایا اسے سب سے بہتر علم تھا کہ ہمارے لیے کیا بہتر ہے۔جو چیزیں ہمارے لیے دنیا وآخرت میں فائدہ مند تھیں انہیں کرنے کا حکم دیا ہے اور جو چیزیں ہمارے لیے نقصان دہ تھیں اور خالق کو ناپسند تھیں ان سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ سختی کے ساتھ ان احکامات پر عمل کروانا چاہتے ہیں اور ان احکامات کو نظر انداز کرنے یا پس پشت ڈالنے والوں کو مجرم قرار دیا ہے اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب تیار کیا ہے۔یوں مقصد حیات نہ تو ترکِ دنیا ہے اور نہ ہی مکمل طور پر دنیا کا حصول بلکہ اپنی خواہشات کو دین کے تابع کر کے اللہ جل جلالہ کی نازل کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے زندگی گزارنا مقصود ہے اور اسی میں ہمارے دنیا وآخرت کے فائدے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات اوامر ونواہی (Do & Dont) پر مشتمل ہیں۔لہٰذا ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ہم اس چیز کا تفصیلی علم حاصل کریں کہ کن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور کن چیزوں سے

منع کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر ہماری ذمہ داریوں کو پانچ بڑے اہداف میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) عقائد (۲) معاملات (۳) عبادات (۴) دین کو دوسروں تک پہنچانا (۵) تکالیف پر صبر اختیار کرنا

(۱) عقائد و نظریات: اللہ کو معبود برحق ماننا، اکیلا ماننا اور شرک کی آلودگیوں سے بچنا۔ جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری رسول تسلیم کرنا، آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنا۔ اس چیز پر پختہ ایمان رکھنا کہ اس زندگی کے بعد آخرت میں نتیجہ نکلے گا، ہمیں دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد حساب کے لئے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ سابقہ رسولوں اور کتابوں پر ایمان رکھنا، فرشتوں پر ایمان رکھنا، تقدیر پر ایمان رکھنا اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ قرآن مجید کو انسانیت کے نام آخری پیغام تسلیم کرنا۔

(۲) معاملات: اللہ تعالی یہ چاہتے ہیں کہ لوگ امن و سکون کے ساتھ کامیاب زندگی گزار سکیں۔ اسلیے باہمی انسانی معاملات کے متعلق بہت سخت احکامات نازل فرمائے ہیں۔ وہ چند بنیادی انسانی معاملات جن کے متعلق بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور جو ہماری دنیاوی زندگی کی بقاء کے لیے بھی ضروری ہیں، جن کو نظر انداز کرنا اللہ تعالی کے لیے بھی نا قابل برداشت ہے وہ یہ ہیں۔

☆ **ناانصافی:** دنیاوی مفادات اور ترجیحات انسان کو ناانصافی پر مجبور کرتے ہیں جسکا نتیجہ لوگوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور انکا حق مارنا نکلتا ہے۔ ہمیشہ فہم وفراست کو استعمال کرتے ہوئے عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے بے شک وقتی نقصان بھی اٹھانا پڑے۔ اس ضمن میں اللہ ﷻ نے حکم دیا:

﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ (سورۃ الانعام:6،آیت:152)

ترجمہ: ''اور جب بھی بات کرو عدل وانصاف پر مبنی ہو اگرچہ معاملہ تمہارے قریبی رشتے دار کا ہی کیوں نہ ہو''

یعنی انصاف کے مطابق اگر تمہارے قریبی رشتے دار کے خلاف فیصلہ نکلے تو وہی کرو۔

☆ **والدین کے ساتھ حسن سلوک:** والدین کی بے ادبی، ان کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی نافرمانی سے ہر ممکن بچا جائے۔ جان و مال کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

☆ **اولاد کو قتل نہ کرنا:** رزق کے خوف یا کسی اور وجہ سے اولاد کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔

☆ **ایفائے عہد:** تمام دنیاوی معاملات قولی یا عملی عہد و پیمان ہیں۔ جب کسی سے عہد و پیمان کیا جائے تو اسے پورا کرنا ضروری ہے۔

☆ **جان و مال کی حفاظت:** کسی کو ناحق قتل نہ کیا جائے، کسی کا حق نہ مارا جائے، بغیر اجازت کسی کا مال استعمال نہ کیا جائے۔ کسی نے امانت رکھوائی ہے تو اسے اسی طرح واپس کر دیا جائے۔ بالخصوص یتیم کے مال کی حفاظت کی جائے تاکہ لوگ اس سے مال چھین نہ لیں۔

☆ **سود:** کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، اسے قرض دے کر زائد واپس لینے کا تقاضا کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

☆ **غیبت:** یہ اللہ کی بہت بڑی نافرمانی ہے جس نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوا ہے حالانکہ غیبت کو مردار انسان کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے اسکے باوجود انسانوں کا گوشت کھایا جا رہا ہے۔

☆ اسی طرح جھوٹ، تکبر (حق بات کو جھٹلانا اور دوسروں کو حقیر جاننا)، حسد، بغض بہت بڑے بڑے گناہ ہیں۔

☆ **فضول خرچی:** جو نعمتیں اللہ نے دی ہیں انہیں ضرورت کے مطابق کفایت شعاری سے استعمال کرنا۔ بلاضرورت مال خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

☆ **بے حیائی سے مکمل اجتناب:** اللہ تعالیٰ بہت باحیا ہے اور شیطان بہت بے حیا ہے۔ شیطان کی ہر ممکن کوشش ہے کہ بے حیائی اور بے پردگی عام ہو جائے۔ ظالم شیطان لوگوں کو حکماً بے حیائی پر آمادہ کرتا ہے جسکا ذکر ہمارے خالق نے یوں کیا:

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (سورۃ البقرہ: 2، آیت: 268)

ترجمہ: ''شیطان تمھیں غربت (کے خوف) سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے''

اگر سوچا جائے تو بے حیائی کسی کے فائدے میں بھی نہیں۔ ہر کوئی یہ تو ضرور چاہتا ہے کہ اسکی بیٹی، بہن کی عزت محفوظ رہے تو دوسروں کی بہن، بیٹی کے متعلق بھی ایسا ہی سوچنا چاہیے۔ اگر یہ بات آپکو سمجھ آ گئی ہے تو یقیناً اس حکم کی وجہ آپ سمجھ چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس گناہ سے بچنے کا سخت حکم یوں دیا:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ﴾(سورۃالانعام:6،آیت:151)

ترجمہ: ''اور فحاشی کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ علانیہ ہو یا پوشیدہ''

بے حیائی اور بے پردگی کی ہر شکل سے مکمل اجتناب کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ چیزیں بالآخر بدکاری کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس سخت حکم کے باوجود موجودہ دور میں ظالم شیطان کامیاب ہو چکا ہے اور بے پردگی ہر رنگ میں اپنے عروج پر ہے۔ اسلام میں عورت کے حقوق سلب نہیں کیے گئے بلکہ اسکے اپنے فائدے اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے مردوں کے اختلاط سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے الگ ادارے قائم کئے جائیں۔ تمام لوگوں سے اپیل ہے کہ اللہ ﷻ کے اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور چندروزہ عارضی مزوں کو دائمی آخرت کے فائدوں پر ہرگز ترجیح نہ دیں۔ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے (آمین)۔

اسکے علاوہ: مایوسی، لوگوں کا تمسخر اڑانا، کسی پر تہمت لگانا، بداخلاقی، شراب، جوا وغیرہ بھی بڑے احکامات میں شامل ہیں۔ بہت بڑی سعادت تو یہ ہے کہ دوسروں کو آسانیاں، خوشیاں اور فائدے پہنچائے جائیں۔ اپنے مفادات پر دوسروں کو ترجیح دینا بہت بڑی عظمت ہے اگر کسی کو نصیب ہو۔ اگر ہم مذکورہ چیزوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو آخرت کے ساتھ ساتھ ہماری دنیا کی زندگی بھی پرسکون ہو جائے۔

(۳) عبادات:

☆ **ترجیح کے ساتھ نماز کا اہتمام:** نماز کو سکون کے ساتھ خشوع و خضوع اختیار کرتے ہوئے ہر رکن کو علیحدہ علیحدہ تسلی سے ادا کرنا بالخصوص نماز کے فرائض میں۔ جب نماز کا وقت ہو جائے پہلی فرصت

میں ترجیح کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا۔اسکے برعکس نماز کو تاخیر سے پڑھنا اور جماعت ترک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ ہماری ترجیح اوّل نہیں بلکہ جن کاموں کی وجہ سے ہم نے نماز میں تاخیر کی ہے وہ ہماری ترجیح ہیں ۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو ٹھیک ہے لیکن یہ تو لوگوں کی عادت بن چکی ہے۔

☆ خوشی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، استطاعت ہو تو حج کرنا، قربانی کرنا۔

☆ **تصحیح نیت**: اعمال اللہ کی رضا کی خاطر کرنا، دنیاوی شہرت، عزت اور ناموری کی بجائے اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے مذکورہ اعمال بجالانا، اگر نیت ٹھیک ہو تو اکثر دنیاوی امور بھی دینی بن جاتے ہیں جیسے اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں حصہ لینا، تعلیم حاصل کرنا، رزق حلال کمانا وغیرہ۔

(۴) فریضہ دعوت وتبلیغ: اپنی صلاحیتوں کے مطابق حق بات کو اپنے دوسرے بھائیوں تک پہچانا تا کہ وہ بھی خسارے سے بچ کر فائدہ حاصل کرنے والے بن جائیں، بالخصوص اپنے حلقہ اثر تک بات پہنچانے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔اسی طرح ظلم وناانصافی یا برائی ہوتی دیکھیں تو حکمت سے اچھا اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس سے منع کیا جائے۔ بلند درجہ یہی ہے کہ اپنے جان ومال کے نقصان پر برائی اور ظلم کے خاتمے کو ترجیح دی جائے اور ہاتھ سے روکا جائے۔ اگر ہاتھ سے نہ روک سکیں تو زبان سے منع کیا جائے لیکن اگر خطرے کے باعث زبان سے منع نہ کر سکیں تو دل میں برا جانیں جو کہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

(۵) صبر اختیار کرنا: یہ زندگی ہر ایک کے لئے یکساں نہیں، کوئی خوش ہے تو کوئی غمگین۔ اس بات کو ذہن نشین رکھتے ہوئے کہ صرف یہی زندگی نہیں بلکہ اصل زندگی تو اسکے بعد شروع ہونے والی ہے، جیسے بھی حالات ہوں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے زندگی میں جو پریشانیاں، مصیبتیں، بیماریاں وغیرہ آئیں ان پر صبر کرنا، بے صبری کا مظاہرہ نہ کرنا۔

(۶) غیرت اسلامی: خدا سے حقیقی محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان میں دینی غیرت اور خودداری ہو۔ خدا و رسول، اسلام اور شعار اسلام کی شان و عظمت اور عزت و آبرو کی پاسداری کرنا اپنا بنیادی فریضہ سمجھتا ہو اور انکی تحقیر و توہین کرنے والوں کو ہرگز دوست نہ رکھتا ہو۔ ہاں اگر کسی کی اصلاح اور خیر خواہی کے لئے تعلق ہو تو حرج نہیں۔ اس ضمن میں قرآن و سنت میں بہت رہنمائی موجود ہے، بات کو سمجھنے کے لئے صرف ایک آیت کریمہ پیش خدمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴾

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس کتاب میں یہ حکم نازل فرما چکا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کا انکار اور انکا مذاق ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ (اسکے باوجود بھی تم انکے ساتھ بیٹھے رہے) تو بے شک تم بھی انہیں جیسے شمار ہو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کرے گا'' (سورۃ النساء 4، آیت:140)

اسکے علاوہ قرآن مجید سمجھنے کا عہد کریں اسکے کے لیے ضرور کچھ وقت نکالیں۔ ضروری احکام دیکھنے کے لیے سورۃ المومنون آیت (۱ تا ۱۱)، البقرہ آیت (۱۷۷)، انعام آیت (۱۵۱ تا ۱۵۳)، سورۃ الحجرات اور سورہ نور کا مطالعہ کریں۔

اگر آپ غور کریں تو مذکورہ احکامات کا زیادہ حصہ ہماری دنیاوی زندگی کی بہتری کے لیے ہے جسکے بغیر ہماری دنیاوی زندگی آرام دہ نہیں ہو سکتی۔ سورۃ العصر میں انسان کی نجات کے کم از کم لوازم بیان کئے گئے ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرنا نجات میں حائل ہو سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالۡعَصۡرِ o اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ o اِلَّا الَّـذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ o ﴾(سورۃ العصر:103)

ترجمہ: ''قسم ہے زمانے کی بے شک (ہر) انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے(۱) جو ایمان لے آئے (۲) جنہوں نے نیک اعمال کئے (۳) اور جنہوں نے حق بات کی دوسروں کو تلقین کی (۴) اور صبر اختیار کیا۔''

یہ خسارہ کوئی معمولی نہیں! اگر ہم نے سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا تو آخرت کا خسارہ کوئی معمولی خسارہ نہیں۔ وہ جگہ جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہو، جہاں وقت ختم نہ ہو، خدانخواستہ ادھر پھنس گئے تو کیا بنے گا۔ یہاں تو تنگی و مصیبت کا وقت بھی گزر جاتا ہے اور اچھے وقت کی امید بھی ہوتی ہے لیکن وہاں کیا کریں گے۔ عقلمندی یہی ہے کہ عارضی مفادات کی خاطر آخرت کو داؤ پر ہرگز نہ لگایا جائے۔ آخرت میں پھنسنے والا انسان یوں حسرت کرے گا:

﴿وَلَا یَسۡـَٔلُ حَمِیۡمٌ حَمِیۡمًا o یُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ یَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ یَفۡتَدِیۡ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِیۡهِ o وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیۡهِ وَفَصِیۡلَتِهِ الَّتِیۡ تُـٔۡوِیۡهِ o وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ یُنۡجِیۡهِ o كَلَّا اِنَّهَا لَظٰی o نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی o تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَتَوَلّٰی o﴾(سورہ المعارج: 17-10)

ترجمہ: ''اور (جس دن) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا، اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دیں، (لیکن) ہرگز ایسا نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے جو نوچ لے گی گوشت پوشت کو۔ وہ بلائے گی ہر اس شخص کو جو پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا ہے۔''

دنیا کی محبت انسان کا اصل حجاب!

دنیا انسان کو بہت عزیز ہے۔اسکی پرکشش چیزیں انسان کو بہت مرغوب ہیں،ان کی طرف انسان کی طبیعت کا قدرتی میلان ہے۔یہ چیزیں انسان کی آزمائش ہیں۔انسان کو پرکھا جارہا ہے کہ وہ عارضی ایام کو ترجیح دیتا ہے یا دائمی زندگی کو۔انسان ہمیشہ سے ہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے آئے ہیں جسکا ذکر اللہ تعالی نے یوں فرمایا ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى o بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى o اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى o صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى o﴾ (سورۃ الاعلیٰ:87 آیت:19-14)

ترجمہ:''یقیناً کامیاب وہ ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا،رب کو یاد کیا اور نماز ادا کی۔لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ہے۔یہ بات پہلے صحائف میں بھی بیان ہوئی جیسے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے صحائف میں۔''

ہمارے خالق نے ہمیں دنیا کے فریب سے بچانے کے لئے فرمایا:

﴿وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور دنیاوی زندگانی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں،اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے''(سورہ الانعام:6،آیت:32)

وہ لوگ جن کی زندگی کا مقصد دنیا کے سوا اور کچھ نہیں،جو اپنی پیدائش کے مقصد اور اپنے رب کو بھول چکے ہیں،جن کے شب و روز دنیا کے حصول اور اسی کی زیب و زینت میں ختم ہو رہے ہیں۔انکے خطرناک انجام کے متعلق پروردگار نے پیشگی خبر دے دی تا کہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں،فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ

بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ o ﴾(سورہ ھود:11،آیت:16-15)

ترجمہ: ''جو کوئی خواہش مند ہو دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کا تو پورا پورا دیتے ہیں ہم انھیں بدلہ انکے اعمال کا اسی دنیا میں اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جاتی۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ نہیں ہے جن کے لئے آخرت میں کچھ بھی سوائے آگ کے اور برباد ہو گیا وہ جو بنایا تھا انہوں نے اس دنیا کے لئے اور ضائع ہو گئے وہ سب اعمال جو وہ کیا کرتے تھے''۔

کاش ہم اس سے عبرت پکڑتے ہوئے موت سے پہلے اس دھوکے سے نکلنے کی کوشش کریں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے (آمین)۔

مشہور ہیئت دان جیمز ٹرائفل لکھتا ہے: 'افسوس کہ اگر کروڑوں اربوں سال کے بعد بھی کائنات ختم ہونے والی ہے......... تو پھر اس زندگی اور اس سارے جہاں کے ہونے یا نہ ہونے میں کیا مزہ رہ جاتا ہے'

ان واضح حقائق کو دیکھ کر بھی ہم عبرت نہ پکڑیں اور چند روزہ فانی زندگی کی عارضی خوشیوں کو ابدی راحتوں پر ترجیح دیں تو یقیناً قصوروار ہم خود ہیں، کوئی عقلمند اتنے بڑے خسارے کا اپنے لیے فیصلہ نہیں کرسکتا۔

محترم ساتھیو! ان حقائق سے آگہی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے اور دنیاوی زندگی کو اللہ کے احکامات کے تابع کر کے گزارنے کا مصمم ارادہ کریں، اپنی بہترین صلاحیتوں کو اللہ کے لئے استعمال کریں، اسکے احکامات سمجھ کر دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ یہ بات ہمارے بھلے کی ہے اگر ہم سمجھیں!

اللہ جل جلالہ کے انصاف کا تقاضا:

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور انسان کو تخلیق کر کے اس میں حق کو پہچاننے کی بہت بڑی بڑی نشانیاں رکھ دی ہیں۔ سب سے زیادہ نشانیاں تو خود انسان کی اپنی ذات میں ہیں جن پر تھوڑا سا غور کرنے سے انسان اپنے خالق کی پہچان حاصل کر لیتا ہے۔ خالق نے جزا و سزا کا پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔ اسکے انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو عقل و شعور سے کام لیتے ہوئے، حق کو تسلیم کر لے اور اس پر عمل کرے اسے ازلی خوشیوں اور

مسرتوں کی جگہ جنت میں داخل کرے اور جو اللہ ﷻ کی نشانیوں اور حق کو ٹھکرا دے اسے سخت ترین عذاب کی جگہ دوزخ میں داخل کرے۔ بطور دلیل دوزخ اور جنت میں سزا و جزاء کی کیفیت سے آ گاہی کے لیے ایک ایک آیت کریمہ ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سخت ترین عذاب سے آ گاہ کر دیا ہے تا کہ وہ اپنی اصلاح کر کے اس عذاب کے مستحق ہونے سے بچ جائیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ لَهُم مِّن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِ عِبَادَهُ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ (سورۃ الزمر:39۔آیت:16)

ترجمہ: ''ان کے اوپر، نیچے آگ کے شعلے لحاف یا سائبانوں کی طرح چھائے ہوں گے، یہ ہے وہ عذاب جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے۔اے میرے بندو مجھ سے ڈر جاؤ''

سوچیں اگر گرمی کی شدت ہو جائے ، درجہ حرارت 50 ڈگری سنٹی گریڈ سے بڑھ جائے تو ہماری جان نکل جائے تو مذکورہ صورتحال کو ہم کیسے برداشت کریں گے، کیا اس بات کو یہاں سمجھنے کی ضرورت ہے یا وہاں جب انجام ہو؟۔اب بھی اگر ہم اپنی اصلاح نہ کریں تو پھر اللہ کا اس میں کیا قصور ہے؟

وہ لوگ جو آخرت کے دائمی فائدوں کو اس زندگی کے چندروزہ عارضی فائدوں پر ترجیح دیں گے انکے لئے اللہ تعالیٰ نے خود مہمانی تیار کی ہے، انھیں ایسی خوشیاں اور راحتیں میسر آئیں گی جنہیں وہ کسی صورت کھونا نہ چاہیں گے۔ان مسرتوں کا تذکرہ پروردگار نے یوں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴾(الکھف:18،آیت:107-108)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے انکے لئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔ جہاں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش اور کبھی اپنی جگہ بدلنا نہ چاہیں گے''۔

معافی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے!

اللہ جل جلالہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اسکا کوئی بندہ موت سے پہلے پہلے جب بھی اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہوئے اس سے سچی معافی مانگے تو وہ سارے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

﴿قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ o﴾ (الزمر۔آیت:53)

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! فرما دیجیے اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا، بے شک اللہ جل جلالہ تو معاف فرما دیتا ہے تمام گناہوں کو، بیشک وہ بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔''

مسلمانوں کو نہیں اسلام کو دیکھیں:

غیر اقوام موجودہ مسلمانوں کے افعال و کردار کو بنیاد بناتے ہوئے اسلام کو ہی غلط سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ان سے عرض ہے کہ اسلام میں خرابی نہیں۔لوگ امانتیں رکھوانے اور فیصلے کروانے کے لیے داعی اسلام کی طرف رخ کرتے تھے۔سابقہ ادوار میں جن لوگوں نے اسلام کو اپنایا ان کے کردار مثالی تھے۔ آج بھی سچے لوگ موجود ہیں۔خرابی اسلام میں نہیں بلکہ اسلام کو صحیح طور پر نہ سمجھنے اور اسے نہ اپنانے میں ہے۔اس لیے آپ سے التماس ہے کہ آپ اسلام کا مطالعہ کریں جس کے دامن میں خیر ہی خیر ہے۔

انسان کی بے بسی

انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے جسم، زندگی اور شب و روز پر قابض ہے اور وہ یہ سوچتا ہے کہ مجھے صحت و تندرستی اور طاقت کی موجودگی میں خدا کی کوئی زیادہ حاجت نہیں، میرے دوست احباب اور ساتھی میرے لئے کافی ہیں۔یہ جسم اور زندگی میری اپنی ملکیت ہے جیسے چاہوں گزاروں۔لیکن وہ تھوڑا سا اپنے اوپر غور کرے تو اس پر حقیقت کھل جائے گی کہ اسکے اپنے جسم کی بہت ساری چیزیں اسکے اختیار میں نہیں جیسے:

☆ کھانا کھانے پرتو ہمارااختیار ہےلیکن پیٹ کے حوالے کر کے یہ غذاہضم ہونہ ہواس پر ہمارااختیار نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ غذا کھانے میں بہت احتیاط کرتے ہیں، ادویات بھی استعمال کرتے ہیں اسکے باوجود کھانا ٹھیک طرح ہضم نہیں ہوتا۔

☆ پلکوں کا جھپکنااور آنکھوں کی حرکت اگر ہمیں خود سے کرنی پڑ جائے تو کیا بنے۔

☆ سوتے جاگتے ہماری سانسیں خود بخود چل رہی ہیں۔ اگر ہمیں خود سانس لینا پڑ جائے تو ہم سو نہ سکیں یا سونے کے دوران زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

☆ ہمارے دماغ کا انتہائی پیچیدہ افعال سرانجام دینااور ٹھیک چلنا کسی اور کے قبضہ میں ہے۔

☆ موت کے فرشتے جب روح قبض کرنے آئیں ان کو روکنے پر ہمارا کوئی ختیار نہیں۔

☆ گردوں کا ٹھیک چلنا، اگر فیل ہو جائیں ایک دفعہ خون صاف کروانے کے لیے کئی ہزار لگ جائیں اور تکلیف علیحدہ برداشت کرنی پڑے۔

☆ عمر کا بڑھنا ہمارے اختیار میں نہیں ورنہ ہم اسے روک لیتے۔

☆ سوتے، جاگتے، چلتے، دوڑتے ہمارا دل مسلسل کام میں لگا ہوا ہے کسی اور کے اختیار سے۔

☆ کھانا کھاتے ہوئے زبان کا تیزی سے دانتوں کے نیچے چل کر تیز دانتوں سے بچنا اللہ کے فضل سے ہے۔

☆ سانس لیتے ہوئے اور لقمہ نگلتے ہوئے سانس کی نالی پر موجود ڈھکن اپی گلاٹس کا کھلنا اور بند ہونا ہمارے اختیار میں نہیں۔

☆ چلنے کے دوران توازن قائم رکھنے کے لیے ہاتھوں اور جسم کی حرکت اگر ہمیں خود کرنی پڑ جائے تو چلنا مصیبت ہو جائے۔

☆ زمین کی کشش ثقل ختم ہو جائے تو ہم یوں فضاء میں گم ہو جائیں کہ ہمارا نشان بھی نہ ملے۔

کیا یہ باتیں صداقت پر مبنی نہیں؟ تو پھر انسان تو کس چیز پر تکبر کرتا ہے اور اپنے خالق کو بھول جاتا

ہے۔ان حقائق کے پیش نظر اللہ ﷻ نے انسان سے یہ سوال کیا ہے؟

﴿اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ﴾(سورۃ البلد:90،آیت:5)

ترجمہ:''کیا (انسان) یہ گمان کرتا ہے کہ وہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے بھولے ہوئے غافل انسان کو بڑے محبت بھرے انداز میں، اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے اپنی طرف دعوت دی،ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ,الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ , فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ﴾(الانفطار:82,آیت: 8-6)

ترجمہ:''اے انسان! آخر کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم سے بہکا دیا ہے۔وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر سنوارا، پھر درست اور برابر کیا۔پھر جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا''

وہ خالق ہو کر اس انداز میں دعوت دے اور ہم مخلوق ہو کر اس پروردگار سے غافل رہیں سمجھ سے باہر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا:۔

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾(نحل:16، آیت:18)

ترجمہ: ''اور اگر تم اسکی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو، بے شک وہ ضرور معاف فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے''

آئیں ہم کفران نعمت نہ کریں اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو کام اللہ ﷻ کو ناپسند ہیں انہیں مکمل طور پر ترک کرنے کا پختہ عہد کریں اور جو کام اسے پسند ہیں انہیں اپنانے کا فیصلہ کریں۔ یہ فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے اپنی آزادی اور مرضی سے اس زندگی میں موت سے پہلے پہلے۔

باب ۹

حقیقت سے دور رہنے کی بنیادی وجہ

ماہرین اعداد وشمار کی خبر کے مطابق ہر منٹ میں تقریباً 100 انسان اس فانی جہان کو چھوڑ کر قبر کی طرف رختِ سفر باندھ لیتے ہیں۔ یعنی ایک گھنٹے میں 6000 انسان اور ایک رات اور دن میں تقریباً 15 لاکھ انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ پندرہ لاکھ مرنے والے لوگ بھی ہمیں میں سے ہیں۔ کوئی شخص یقین کیساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اگلے 24 گھنٹوں کے لیے بننے والی موت کی فہرست میں اسکا نام شامل ہے یا نہیں لیکن یہ خطرہ ہر آن سر پر منڈلا رہا ہے۔

خوفناک بات یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑنے والے لوگ اپنے کارنامہ زندگی کا حساب دینے کے لیے کائنات کے مالک کے سامنے حاضر ہونے کے لیے یہاں سے گئے ہیں۔ افسوس کہ ان جانے والوں کی اکثریت حقیقت سے آشنا ہوئے بغیر یہاں سے چلی گئی۔ ان پندرہ لاکھ میں سے کوئی یہودی ہے، کوئی عیسائی، کوئی ہندو، کوئی مرزائی، کوئی سکھ، کوئی لامذہب اور کوئی مسلمان۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ جس دین و مذہب میں پیدا ہوئے اسی کے ساتھ دنیا سے چلے گئے؟ یہ اہم ترین سوال ہے جس کا صحیح جواب ہر انسان کے لیے جاننا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم تاکہ حقیقت کو پہچان سکے۔ اس خوفناک انجام کی بنیادی وجہ پیدائشی اندھے ایمان کو عین حق تسلیم کرتے ہوئے اس پر جم جانا، اور کسی دوسرے کی بات سننے سے دل، آنکھ اور کانوں کو بند کر لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے خوفناک انجام کی اس وجہ کو نہایت واضح انداز میں بیان کر دیا تاکہ لوگ خطرے کو پہچان کر غلط روش کو ترک کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر سکیں۔ رب کریم نے فرمایا۔

﴿وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَہَنَّمَ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ ۫ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ﴾(سورۃالاعراف:7،آیت:179)

ترجمہ:''اور بے شک کثیر تعداد میں جن اور انسان ہم نے دوزخ کے لیے پیدا کیے (کیونکہ) ان کے دل ہیں جن سے سوچتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں، ایسے لوگ ڈنگر (چوپائے) ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، یہی لوگ غافل ہیں''۔

اس آیت کریمہ میں انسان کی ابدی ہلاکت کی بنیادی وجہ بیان کر دی گئی ہے کہ قدرت نے غلط اور صحیح کی پہچان کے لیے جو آلات دیئے اگر کوئی ان کو استعمال ہی نہ کرے، آنکھیں بند کر کے چلتا جائے تو اس نے مرنا ہی ہے چاہے وہ گڑھے میں گر جائے یا کسی گاڑی سے ٹکرا جائے۔ ایسے لوگ جانوروں سے بدتر اس لیے ہیں کہ جانور تو پھر بھی اپنے نفع ونقصان کا کچھ نہ کچھ شعور رکھتے ہیں لیکن اللہ ﷻ کی نازل کردہ ہدایت سے انکار کرنے والے میں اسکی تمیز بھی نہیں رہتی۔

ایک شخص بالعموم اس لیے عیسائی ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہی عیسائی کے گھر ہوا تھا۔ جب وہ اس ماحول میں پرورش پا کر بلوغت کو پہنچتا ہے تو اسے عیسائیت کے سوا دنیا میں اور حق نظر ہی نہیں آتا۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے یہ غلط کیسے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہندو، ہندو کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے، یہودی، یہودی کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے یہودی بن جاتا ہے۔ عقل وشعور کی دولت کو جس طرح ہم اپنے دنیاوی فائدوں کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسے کپڑا خریدتے وقت، پھل، سبزی لیتے وقت، ڈاکٹر کا انتخاب کرتے وقت پوری تسلی کرتے ہیں۔ فائدے، نقصان کی پہچان کرتے ہیں۔ اپنا قریبی عزیز بھی اگر دنیاوی جانی ومالی نقصان کی طرف دعوت دے تو ہم قبول نہیں کرتے۔ کم از کم اتنا ساتردّد ہم دین کے لیے بھی کر لیتے تو ضرور حقیقت تک پہنچ جاتے۔ اس حقیقت تک ہم ضرور پہنچ جاتے کہ کائنات کو کسی

نے بنایا ہے۔ وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔ ہماری با مقصد تخلیق اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا مرنے کے بعد حساب کتاب ہوگا۔ اخلاص کے ساتھ اتنی بات تسلیم کر لیتے تو کائنات کو بنانے والا آپ کو روشنی کے رستے تک خود لے آتا۔

ضروری وضاحت: یہ دیکھا گیا ہے کہ غیر مسلم حضرات خرق عادت امور جیسے؛ بتوں سے مانگنے پر مرادیں پوری ہونا، لاعلاج بیماریوں کی شفا ملنا، گرجوں میں اور بتوں کے قرب وجوار میں قلبی سکون حاصل ہونا، دنیاوی مشکلات دور ہونا وغیرہ۔ ان امور کی بنا پر وہ اپنے آپ کو اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ ان سے گذارش ہے کہ ایسی چیزیں تقریباً ہر مذہب میں موجود ہیں جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے مذاہب صحیح ہیں، جبکہ ہر گروہ علیحدہ مذہب ہی اسلئے اختیار کرتا ہے کہ دوسرے غلط ہیں۔ ایسی چیزیں اکثر وبیشتر شیاطین کی طرف سے بطور آزمائش ہوتی ہیں اور یہ ہرگز حق پر ہونے کی دلیل نہیں اور نہ ہی ایسی چیزوں کو دلیل بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اندھی پیروی کا منطقی انجام

عقل وبصیرت سے کام نہ لینے اور اندھے پیدائشی ایمان پر بلا دلیل جم جانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے ناراض ہونے کی وجہ سے اسکی تائید انسان سے اٹھ جاتی ہے اور انسان کو شیطانی قوتیں دبوچ لیتی ہیں۔ وہ اسکے گرد ایسا خطرناک حصار لگا لیتی ہیں کہ انسان اپنے پیدائشی دین ومذہب کے سوا کسی کی بات سننا گوارہ نہیں کرتا۔ پوری تسلی اور اطمینان کے ساتھ اپنے پیدائشی دین ومذہب کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ کسی پر تقدیر غالب آجائے یا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے تو شاید وہ بچ جائے ورنہ اس پر لگا ہوا یہ حصار اسکی روح نکلنے تک اسکے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔

اللہ کو اپنی مخلوق سے محبت: اللہ تعالیٰ یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ اسکے بندے دوزخ میں جائیں، اسی لئے اس نے حق وباطل کی پہچان کے لئے اعضاء دیئے، رہنمائی کے لئے خاص نمائندے بھیجے۔ قرآن مجید میں ہر خطرے کو نہایت واضح انداز میں طرح طرح سے بیان کیا تا کہ اسکے بندے بچ

جائیں۔حق سے دور رکھنے والے جان لیوا مرض کی مختلف انداز میں نشاندہی کی، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

ترجمہ: ''تو کیا آپ سنائیں گے بہروں کو اور راہ دکھائیں گے اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو پڑے ہوئے ہیں کھلی گمراہی میں'' (الزخرف:43،آیت:40)

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَ الْمَوْتٰى یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾

(انعام:6،آیت:36)

ترجمہ:''بے شک بات تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (بات کو) سنتے ہیں اور رہے مردے، انہیں اٹھائے گا اللہ (قیامت کو ہی)، پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے''

ایسے لوگ جو بات نہیں سنتے، منہ پھیرتے ہیں انھیں مردوں سے تشبیح دی گئی ہے جن کا خطرناک انجام قیامت والے دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غلط روش سے بچائے (آمین)۔

خدا کی پناہ کہ انسان اپنے فرقے اور اکابرین کی محبت میں اپنا اتنا بڑا نقصان کرے، اپنے فرقے میں محدود ہو جائے اور کفار کی روش پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قرآن وسنت کی حق بات بھی نہ سنے۔

اصل جرم کا اعتراف: بالآخر دل، آنکھوں، کانوں کو بند کرنے اور اپنے اپنے فرقوں تک محدود رہنے کا منطقی انجام دوزخ کی آگ نکل سکتا ہے۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اس سے بچائے۔ چنانچہ بروز قیامت دوزخی اپنے اصل جرم کا اعتراف یوں کریں گے۔

﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ، فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ (سورۃ الملک:67،آیت:10-11)

ترجمہ:''اور دوزخی کہیں گے کہ (ہائے کاش) اگر ہم بات سنتے ہوتے اور عقل سے کام لیتے

تو آج دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ پس انھوں نے اپنے (اصل) جرم کا اعتراف کرلیا، اب لعنت ہے دوزخیوں پر" (سورۃ الملک 67۔آیت 10)

خدا کی پناہ کہ انسان اپنے خودساختہ نظریات کے تحفظ اور اپنے گروہ کی خاطر تعلیمات وحی سے منہ پھیرے، حق بات نہ سنے اور اللہ جل جلالہ کی لعنتوں کا مستحق ٹھرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ظالم شیطان کے فریب اور اس بڑے گناہ سے محفوظ فرمائے۔

کیا یہ اللہ کا قصور ہے؟

محترم ساتھیو! ہمارا مہربان رب جب جان لیوا مرض کے اسباب و محرکات کی پوری وضاحت کے ساتھ نشاندہی فرمادے اور پھر بھی ہم اللہ جل جلالہ کی بجائے اپنے اپنے اکابرین کی بات مان کر حق اور باطل کی پہچان کی جو صلاحیتیں دی گئی ہیں انہیں استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کرلیں، ہدائیت پر رہنے اور گمراہی سے بچنے کا جو آلہ اللہ نے دیا ہے اسکا استعمال ترک کردیں تو نتیجہ لوگوں کے مابین باہمی نفرت، گروہ بندی اور فرقہ واریت کی صورت میں ظاہر ہو تو پھر اس میں اللہ کا کیا قصور ہے؟ پھر قصوروار تو یقیناً ہمیں ہوئے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دشمن کے ساتھ مقابلے کے دوران اپنا ہتھیار پھینک دے تو یقیناً اسکی موت ہے، یا کوئی راستے پر چلتے ہوئے آنکھیں بند کرلے تو اس نے مرنا ہی ہے چاہے کسی گاڑی سے ٹکرا جائے یا کنوئیں میں گر جائے۔

افسوس کہ ہم نے کئی اپنے مسلمان بھائی دیکھے ہیں جن کی اصلاح کے لئے انکو قرآن وسنت سے دلائل دکھائے جاتے ہیں اور وہ منہ پھیرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ایسے بھائیوں پر رحم فرمائے اور انہیں مرنے سے پہلے پہلے ظالم شیطان کے اس فریب سے نجات دے (آمین)۔

بروز قیامت معاملہ الٹ ہوجائے گا! بروز قیامت معاملہ بالکل الٹ ہو جائے گا۔ قرآن مجید سے منہ موڑنے کی پاداش میں جب انسان شدید پکڑ میں آئے گا تو وہ لوگ جن کی خاطر وہ آیات الٰہی سے روگردانی کرتا تھا، وہ کہے گا کاش وہ لوگ اسے آج نظر آئیں تو انھیں وہ اپنے پاؤں تلے روندھ ڈالے۔ اللہ

تعالیٰ نے ہمارے فائدے کی خاطر اس صورت حال کی قرآن مجید میں یوں منظر کشی کی، ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ (حٰمٓ السجدہ:41،آیت:29)

ترجمہ: ''اور کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا، اے ہمارے رب! ہمیں دکھا جنوں اور انسانوں کے وہ گروہ جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا (تاکہ) ہم انھیں اپنے قدموں تلے مسل دیں تاکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہو جائیں''۔

ہمیں کیا کرنا چاہیے!

دنیاوی معاملات کی طرح دین کی بنیاد بھی اندھے پیدائشی اعتقاد کی بجائے عقل وبصیرت پر رکھنی چاہیے۔ اچھی بات جدھر سے بھی ملے اسے سننے کے لیے آمادہ رہنا چاہیے بالخصوص اگر کوئی قرآن وسنت سے دلیل بتائے تو اسے خوشی سے سن کر غور وفکر کرنا چاہیئے اور سمجھ آجانے پر تسلیم کر لینا چاہئے چاہے بات اپنے ذہن یا مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ نکل آئے۔ بغیر دلیل کوئی عقیدہ نہیں اپنانا چاہیئے۔ اپنے عقائد و نظریات کے متعلق فکرمند ہونا چاہئے اور جلد از جلد انہیں تعلیمات الٰہی پر پیش کر کے اپنی تصحیح کر لینی چاہئے۔ صرف اپنے آپ کو مکمل صحیح اور باقیوں کو مکمل غلط کہنے کا خیال ترک کر دینا چاہیے۔ غلط اور صحیح کی پہچان کی بنیاد تعلیمات الٰہی کے محکم دلائل پر رکھنی چاہیے۔ جیسا کہ خود آنحضور ﷺ نے اعلان فرمایا۔

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (سورۃ یوسف:12،آیت:108)

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) فرما دیجیے کہ یہ میرا سیدھا رستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرے پیروکار واضح دلیل (احکاماتِ الٰہی) پر ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں''

اگر اللہ جل جلالہ کے نبی ﷺ نے اپنی بنیاد واضح دلیل پر رکھی ہے تو ہمارا بغیر دلیل ایمان اللہ کو کیسے قبول ہوگا''؟ اپنے آپ کو ان تعلیمات پر مرکوز رکھیں جو اللہ جل جلالہ نے آسمان سے نازل کیں اور قرآن مجید کو سمجھنے

کا عہد کرلیں۔دوران مطالعہ صرف کسی ایک ہی مکتب فکر کی تفاسیر سے استفادہ نہ کریں۔عقل وشعور سے کام لے کرآیات کوسمجھیں۔اگرآپ مخلص ہوئے یا آپ کے پیش نظر اپنے فرقہ کی بالادستی کی بجائے اللہ کے دین کی بالادستی ہوئی تو انشاءاللہ بہت جلد راہ ہدایت کو پالیں گے۔

لازمی نتیجہ: اس باب میں پیش کردہ حقائق کا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ بغیر دلیل اندھا پیدائشی ایمان درست نہیں، کیونکہ اللہ نے اس طرز عمل کو ہی غلط قرار دیا ہے۔اپنے گرد حصار لگا کر اپنے گروہ کے علاوہ کسی اور کی بات نہ سننا اللہ کے حکم کی نافرمانی ہے اوراس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسان ابلیس کے قابو میں آچکا ہے۔ اس روش کا انجام خطرناک ہوسکتا ہے۔لہذا اس روش کو فوراً ترک کردینا چاہیے اوراللہ کواپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتے ہوئے اس کی بات پر یقین کر لینا چاہئیے اوراسکے خلاف کسی کی بات کو ترجیح نہیں دینی چاہئیے چاہے کوئی کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ اوراسکے رسولوں کے علاوہ غلطی کسی کو بھی لگ سکتی ہے۔ان باتوں پر عمل کرنے سے انشاءاللہ آپ پرحق واضح ہو جائے گا۔ ہماری نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ہم بھائی بھائی بن جائیں گےاورفرقہ واریت کا خاتمہ ہوجائے گا۔کاش ایسا ہوجائے (آمین)۔

صرف پڑھنے تک محدود نہ رہیں

زندگی میں کبھی کبھی انسان کوایسے مواقع میسرآتے ہیں جو حقیقت تک رسائی کا ذریعہ بن سکتے ہیں ،اس تحریر سے اگرآپ پرحق واضح ہوگیا ہے تو اسے صرف علم کی حد تک محدود نہ رکھیں بلکہ اسے بہت بڑی غنیمت اوراللہ کی مہربانی سمجھتے ہوئے خوشی کے ساتھی زندگی کواز سرنو اللہ کی منشاء کے مطابق گزارنے کا پختہ عہد کریں کیونکہ موقع سے فائدہ نہ اٹھانا اور بات سمجھ آجانے کے باوجود بھی غفلت کرنا ناشکری کے زمرے میں آتا ہے جسکے نتیجے کے طور پرانسان سے عمل کی توفیق چھن جاتی ہے۔اگراب بھی ایسا ہوگیا تو پھر شاید یہ موقع نہ مل سکے۔اس لیے سنجیدگی کے ساتھ عملی اقدام کا فیصلہ کریں،اللہ ہماری مدد فرمائے اور ہمارے لیے اصل مقصد کے حصول کوآسان بنائے (آمین)۔

اللہ ﷻ کے بے پناہ فضل واحسان سے یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی، اللہ ﷻ اِس کوشش کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے ذریعۂ نجات بنائے، اِس میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو اُسے کمال فضل سے معاف فرمائے۔

آخر پر وہ لوگ جن کا ہمیں اس کتاب کی تیاری میں تعاون حاصل رہا ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے دُعاؤں کی درخواست ہے۔

۔ اپنے والدِ محترم محمد انور صاحب اور والدہ محترمہ کے لیے جنہوں نے رزقِ حلال سے ہماری کفالت کی ،اساتذہ اور بزرگان دین کے لئے ،اپنے بہن بھائیوں اور اہل وعیال کے لیے،

انجینئر رضوان حیدر ،انجینئر زاہد بشیر اور انجینئر راحت عباس جنہوں نے کئی اہم معاملات میں رہنمائی فرمائی۔انجینئر محمد علی مرزا جن کی محنت سے ہارون یحیٰی کی تحقیق تک رسائی ممکن ہوئی۔

۔جناب افضل ضیاء اور بھائی یسٰین کے لیے جنہوں نے پروف ریڈنگ کی اور بعض معاملات میں رہنمائی کی۔

۔ تمام اُمتِ مسلمہ کے اصلاح واتحاد اور دونوں جہانوں میں سرخروئی کے لیے۔

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

اللہ ﷻ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ ﷻ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول ﷺ حق کے ساتھ آئے ہیں''

فیصلہ آپ کے ہاتھ میں: **الحمد لله** ! جو حقیقت تھی کھول کر بیان کردی گئی، چاہے تو عقل وبصیرت سے کام لیتے ہوئے سچ بات تسلیم کرلیں یا حقائق سے چشم پوشی کرلیں؟ ایک دن نتیجہ ضرور نکلے گا۔فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

((وما توفیقی الاّ باللّٰہ))

✡✡✡✡✡

اپینڈکس (Appendix)

انسانی تخلیق کے قرآنی بیان پر اعتراضات کا جائزہ

قرآن مجید میں بیان کردہ انسانی تخلیق کے مراحل کی حقانیت سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے، جینیات کی تاریخ، علم الجنین (جس میں بچے کی ابتداء اور نمو کے مراحل کا مطالعہ کیا جاتا ہے) کے متعلق جدید سائنس کی معلومات اور بعض غیر مذاہب کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ حق بات کھل کر سامنے آجائے۔

علم الجنین کی تاریخ: اس علم کی ترقی بہت سست رفتار رہی ہے، اس علم کی حقیقی بنیادیں جو سچائی کے بہت قریب ہیں انیسویں صدی عیسوی میں پڑیں جبکہ قرآن مجید میں یہ معلومات ساتویں صدی عیسوی میں فراہم کردی گئی تھیں تاکہ انسان اپنے رب کو پہچان کر اس پر ایمان لاسکے۔ علم الجنین کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. یونانی دور (The Greeks)

i. پانچویں صدی قبل مسیح میں ہپوکریٹس (Hippocrates) نے جینیاتی مراحل کا مطالعہ کرنے کے لئے مرغی کے انڈوں سے بچہ نکلنے کا مطالعہ کیا۔ اُس نے انڈوں کو مرغی سے سہوایا پھر روزانہ ایک ایک انڈے کو توڑ کر ان کا مشاہدہ کیا جس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسان اور پرندوں کی نمو میں مماثلت ہے۔

ii. چوتھی صدی قبل مسیح میں ارسطو (Aristotle) نے 'مرغی کے نمو' نامی مقالہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ منویہ (انسان کا مادہ) اور عورت کے حیض کے خون کے ملاپ سے ایک بے شکل مادہ بنتا ہے جس سے بچہ نمو پاتا ہے۔ یہ نظریہ بالکل غلط تھا۔

iii. دوسری صدی میں گیلن (Galen) نے ''فیٹس (بچے) کی تشکیل'' نامی مقالہ میں بچے کے آغاز، نمو کے دوران خوراک کا حصول اور نمو پذیر بچے کے گرد جھلیوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے

ساتھ ساتھ انسانی نمو کے مختلف مراحل بھی بیان کئے جن میں سے کچھ درست جبکہ کچھ غلط تھے۔

2. درمیانی دور(The Middle Age):

یہ دور 15۔ویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔اس دور میں چونکہ سائنسی دریافتیں نہیں ہوئیں اس لئے سائنسی اعتبار سے اسے ''تاریک دور'' (The Dark Age) بھی کہتے ہیں۔اسی دور کی ساتویں صدی عیسوی میں بعثت نبوی ہوئی اور قرآن مجید کا نزول ہوا جس میں انسانی تخلیق کے مراحل کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا گیا۔

3. نشاۃ ثانیہ(Renaissance)

یہ دور 16۔ویں صدی پر محیط ہے۔اس دور میں نمو کی صحیح دریافتیں ہونا شروع ہوگئیں۔ہاروے (Harvey) نے خون کی گردش دریافت کی لیکن وہ یہ غلط نظریہ بھی پیش کر گیا کہ بچہ رحم مادر کی دیوار سے پیدا ہوتا ہے۔

4. جدید دور(The Modern Age)

17 ویں صدی سے شروع ہونے والا یہ انقلابی دور ہے جس میں علم الجنین سمیت دیگر سائنسی علوم میں بہت ترقی ہوئی اور نہایت اہم دریافتیں ہوئیں جیسے:

17ویں صدی میں خوردبین ایجاد ہوئی۔ 1672ء میں ڈی گراف(De.Graff) نے خوردبینی مشاہدے سے ہاروے کا رحم مادر کی دیوار سے بچے کا پیدا ہونے کا نظریہ غلط ثابت کر دیا، ہام (Hamm)اور لیون ہک(Leiuwenhoek) نے 1677ء میں یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان کے سپرم میں انسانی جسم کا خاکہ یا شبیہ ہوتی ہے، 1839ء میں شلیڈن(Schielden) اور شوان(Schwann) نے خلیاتی نظریہ (The Cell Theory) پیش کیا جس سے بڑی تیزی سے دریافتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔1878ء میں فلیمنگ (Flemming) نے کروموسومز (Chromosomes) دریافت کر لئے۔اس کے بعد سائنسدانوں نے انسانی تخلیق کے مراحل کو آسانی سے سمجھ لیا۔

علم الجنین کے متعلق موجودہ معلومات: سائنسی ترقی اور جدید آلات کی بدولت انسانی تخلیق کی باریکیوں، سپرم، انڈے کے ملاپ، جینز اور کروموسومز کے عمل دخل کو اچھی طرح معلوم کر لیا گیا ہے۔نیز انسانی نمو کے مراحل کو سمجھا جا چکا ہے اور ان مراحل کی تقسیم اعداد(Number) میں کی گئی ہے۔جیسے مرحلہ نمبر: 1 (Stage-1)،

مرحلہ نمبر 2 (Stage-2)۔۔۔۔۔وغیرہ۔

قرآن مجید میں بیان کردہ انسانی نمو کے مراحل اور جدید سائنس کی مصدقہ معلومات میں مکمل مطابقت پائی جاتی ہے جس کا جدید دور کے سائنسدانوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔

غیر مذاہب کے اعتراضات: مذکورہ مراحل پر غیر مسلم نے کچھ اعتراضات کر کے قرآن مجید کی مذکورہ تقسیم کو غلط قرار دیا ہے۔ جیسے ڈاکٹر ولیم کیمبیل نے اپنی کتاب ''بائبل اور قرآن، تاریخ اور سائنس کی روشنی میں'' (The Quran and the Bible, in the light of History and Science) قرآن مجید کو غیر خدائی کلام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ آیت پر درج ذیل بنیادی اعتراضات کئے گئے ہیں۔

پہلا اعتراض:

i. ابتدائی مرحلہ جسے علقہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی قدیم مفسرین (کئی سو سال سے) خون کی پھٹک یا لوتھڑا کرتے آئے ہیں، جدید سائنس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ جونک نما چپکنے والی چیز کی مانند ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کا بیان درست نہیں۔

ii. کسی لفظ کے حقیقی معانی وہی ہوتے ہیں جو اسے بولنے والے یا سننے والے مراد لیں۔ انجیل کے معاملے میں الفاظ کے وہی معانی سامنے رکھے جائیں گے جو پہلی صدی عیسوی میں تھے، اسی طرح قرآن کے الفاظ کے معنی بھی وہی صحیح ہوں گے جو پہلی صدی ہجری کے دوران استعمال ہوئے۔

دوسرا اعتراض: مرحلہ نمبر (iv) اور (v) میں ہڈیوں کی تشکیل اور اُس پر گوشت چڑھنے کا بیان ہے۔ قرآنی بیان کے مطابق پہلے ہڈیاں بنتی ہیں پھر ان پر گوشت چڑھتا ہے جبکہ حقیقت یہ نہیں۔ ڈاکٹر ساڈلر جو (Embriology-Anatomy) کے پروفیسر ہیں ان کا بیان ہے کہ پٹھے اور ہڈیاں بیک وقت ہی بننا شروع ہوتے ہیں اور 8 ویں ہفتے کے اختتام تک بہت کم ہڈیوں کی تشکیل ہوئی ہوتی ہے جبکہ پٹھے حرکت کے قابل ہوتے ہیں۔

نتیجہ: قدیم اطباء ارسطو اور گالن وغیرہ انسانی نمو کے مراحل سے آگاہ تھے، طائف کا طبیب حارث (جناب) محمد (ﷺ) کے زمانے کا بہت بڑا طبیب تھا۔ (جناب) محمد (ﷺ) پیچیدہ امراض کے علاج کے لئے مریضوں کو حارث کے پاس بھیجتے تھے۔ اس ذریعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس بات کے وافر امکانات موجود تھے کہ (جناب) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب ارسطو اور گالن وغیرہ کے نظریات سے آگاہ ہو سکتے۔ جس کا ذریعہ حارث اور دیگر طبیبوں کی صورت میں موجود تھا۔

پہلے اعتراض کا جائزہ: اس اعتراض کے متعلق چند قابل غور باتیں پیش خدمت ہیں۔

i. علق کا معنی لوتھڑا یا خون کی پھٹک نہ تو قرآن نے بیان کیا ہے اور نہ ہی جن پر یہ قرآن نازل ہوا یعنی ہمارے پیارے نبی جناب حضرت محمد ﷺ نے اور نہ اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے یہ معنی مراد لیا ہو تو آپ نے اسکی تصدیق کی ہو۔ یہ معانی بعد کے مفسرین نے بیان کئے ہیں جو کہ موجودہ صدی تک بیان ہوتے رہے ہیں۔

ii. اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وقت کے لوگوں نے یہی معانی مراد لئے تھے اور ہمیں ان معانی سے ہٹ کر کوئی اور معانی نہیں کرنا چاہیئے تو یہ بات بائبل یا دیگر کتب کے لئے تو درست ہوسکتی ہے کیونکہ سابقہ انبیاء کرام کو خاص قوموں کی طرف پیغام کے لئے بھیجا گیا۔ اس بات کی صراحت بائبل میں بھی موجود ہے کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا پیغامِ ہدائت صرف اسرائیل کے لئے تھا نہ کہ دیگر اقوام کے لئے، دیکھیئے متی کی انجیل باب نمبر (6,7,10)، باب نمبر (15-24)۔

iii. قرآن مجید کا پیغام ہدایت تا قیامت تمام نسل انسانی کے لئے ہے کیونکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں جن پر یہ آخری کلام نازل ہوا۔ آپ ﷺ کو تمام عالمین کے لئے رحمت وہدائت بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (سورہ الانبیاء: 21، آیت: 107)

ترجمہ:''(اے نبی ﷺ!)ہم نے تو آپ کوتمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ﴾(سورۃ ابراھیم:14 آیت: 52)

ترجمہ: ''یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے''

پس ثابت ہوا کہ قرآنی الفاظ کے معنی قطعاً اس دور تک محدود نہیں کیے جاسکتے جس دور میں یہ نازل ہوا تھا سوائے اس کے کہ اللہ ورسول ﷺ خود خاص معانی کی تخصیص کردیں۔

iv. لغت کی کتابوں میں علقہ کے معنی لوتھڑا یا جونک کئے گئے ہیں اسکے علاوہ اسکے دیگر معانی چپکنا، لٹکنا، چمٹنا، جونک نما چیز، چپکنے والی چیز وغیرہ ہیں۔جنین اپنے ابتدائی مراحل میں شکل وصورت کے لحاظ سے بھی اور پرورش کے لحاظ سے بھی جونک کے مشابہ ہوتا ہے کیونکہ یہ رحم مادر کی دیوار سے چمٹ کر پرورش پاتا ہے۔

v. جس عرصہ میں حمل ضائع ہوکر خارج ہوتا ہے اس ابتدائی مرحلہ میں یہ لوتھڑے کی مانند بھی نظر آتا ہے۔ اس سائنسی حقیقت کو پروفیسر کیتھ مور نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(مناظرہ:انجیل مقدس اور قرآن : ڈاکٹر ذاکر نائیک: ڈاکٹر ولیم کیمپبل)

vi. قرآن مجید نے شکل و شباہت کی بنیاد پر مراحل کا ذکر کیا ہے۔

لہٰذا مذکورہ بیان میں قرآن مجید غلطی پر نہیں۔ اللہ ﷻ نے درست بات بیان فرمائی ہے۔

دوسرے اعتراض کا جائزہ: علم الجنین کی جدید تحقیقات کی روشنی میں پروفیسر کیتھ مور نے اپنی کتاب (The Developing Human) میں عظام مرحلہ کی وضاحت بیان کی ہے جس کے مطابق: ہڈیوں اور پٹھوں کی ابتدائی تشکیل 25 سے 40 دنوں میں ہوتی ہے۔اس عرصہ میں ہڈیوں کے بنیادی ٹشوز (Sclerotomes) بنتے ہیں، جن کی نمو کے ساتھ ساتھ عضلات کے بنیادی ٹشوز بھی بنتے ہیں جن کو مایوٹومز (Myotomes) کہتے ہیں۔ہڈیوں کے پھیلاؤ کے ساتھ مذکورہ عضلات کی نمو بھی جاری رہتی ہے۔جب ہڈیوں کا ڈھانچہ (Skeleton) تشکیل ہونے لگتا ہے تو عضلات کی پٹیوں کی

تہیں مخصوص انداز (Pattern) سے ہڈیوں کے گرد کہیں کم اور کہیں زیادہ لپٹنے لگتی ہیں اسطرح 56۔ دن میں 3 سنٹی میٹر لمبی جسامت کا جنین (Embryo) تشکیل پا جاتا ہے۔

اس مرحلہ میں محوری ڈھانچہ (Vertebral Column) اور پسلیوں (Ribs) کی تشکیل کی وجہ سے جنین میں کھڑا پن اور سختی پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ باب 1 صفحہ نمبر9 پر دکھایا گیا ہے۔ ہڈیاں بیالیسویں دن تک مکمل ہوکر ڈھانچہ کی صورت اختیار کر جاتی ہیں جبکہ گوشت کی تشکیل ساتویں اور آٹھویں ہفتے میں مکمل ہوتی ہے۔ بیان کردہ سائنسی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بیان کردہ ترتیب درست ہے۔ جہاں تک ارسطو اور گالن وغیرہ کے نظریات سے آگاہی کی بنیاد پر مذکورہ بیان کا تعلق ہے، یہ بات اسلئے درست نہیں کہ گالن وغیرہ کی بیان کردہ تقسیم اور قرآن مجید کی بات میں مکمل یکسانیت نہیں پائی جاتی، اگر یہ نقل ہوتی تو حرف بحرف وہی بیان ہوتا، اسکے علاوہ گالن کی تمام باتیں درست بھی نہیں، پھر علقہ اور مضغہ والی حالت کا گالن نے ذکر تک نہیں کیا۔ پس قرآن مجید کا ہر بات کو بالکل صحیح بیان کر دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

عصر حاضر کے ماہرین کی تصدیق: قرآن مجید میں بیان کردہ تخلیقی مراحل اور سائنسی حقائق میں پائی جانے والی مطابقت کو عصر حاضر کے علم الجنین کے نامور سکالرز جیسے ڈاکٹر کیتھ مور پروفیسر مارشل جولین، ڈاکٹر جو سمپسن وغیرہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

ڈاکٹر کیتھ مور: آپ یونیورسٹی آف ٹورانٹو، کینیڈا میں ڈیپارٹمنٹ آف اناٹومی کے سربراہ اور جینیات کے پروفیسر ہیں۔ ان کا شمار علم الجنین کے بڑے ماہرین میں ہوتا ہے۔ مذکورہ موضوع پر ان کی مشہور کتاب نمو پذیر انسان (The Developing Human) ہے۔

یمن کے معروف سکالر ڈاکٹر عبدالمجید عزیندانی کی سربراہی میں مسلمان ڈاکٹرز کے ایک گروپ نے کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ سعودی عربیہ میں جینیات (Embroyology) اور دیگر سائنسی علوم کے بارے میں قرآن مجید اور مستند احادیث نبوی ﷺ سے مذکورہ معلومات جمع کیں اُنہیں انگریزی میں ترجمہ

کر کے ڈاکٹر کیتھ مور کے سامنے پیش کیں۔ جب ان سے تبصرے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ''ان میں سے بیشتر آیات اور احادیث تو جدید ترین تحقیقات سے مکمل مطابقت رکھتی ہیں البتہ چند ایسی باتیں ہیں جنہیں نہ وہ درست قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی غلط کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جدید سائنس نے ابھی تک ان کی مکمل وضاحت ہی نہیں کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ خود ان کے بارے میں مکمل علم نہیں رکھتے''

- ڈاکٹر کیتھ مور سے متذکرہ موضوع پر 1980ء کی دہائی میں 80 سوالات کئے گئے، جن کے انہوں نے جواب دیئے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ 80 سوالات ان سے 30 سال قبل کئے جاتے تو سائنسی معلومات کی عدم موجودگی کے باعث شاید وہ ان میں سے آدھے سوالات کا جواب بھی نہ دے پاتے۔
- ڈاکٹر کیتھ مور نے اس بات کی گواہی دی کہ: ''جدید علم الجنین کے بیان کردہ مراحل یعنی مرحلہ نمبر 1، مرحلہ نمبر 2 ۔۔مرحلہ نمبر 5۔۔۔اور ان کی تفاصیل انتہائی پیچیدہ اور عسیر الفہم ہیں۔ جبکہ صورت اور شباہت کی بناء پر بیان کردہ قرآنی مراحل سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔ مجھے یہ بات ماننے پر کوئی اعتراض نہیں کہ محمد ﷺ خدا کے پیغمبر تھے کیوں کہ قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہی ہوسکتی ہے''۔(مناظرہ: انجیل مقدس اور قرآن مجید، قرآن اور سائنس: ڈاکٹر ذاکر نائیک)

قرآن مجید سے نئی معلومات حاصل ہونے کے بعد ڈاکٹر کیتھ مور نے 1982ء میں اپنی کتاب ''نمو پذیر انسان'' کا تیسرا ایڈیشن مرتب کیا ہے۔ جسے بہت پذیرائی حاصل ہوئی، اسے بہترین کتاب کا طبعی ایوارڈ ملا، کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اس کتاب کو میڈیکل کی تعلیم کے سال اول میں نصابی کتاب کے طور پر بھی پڑھایا جاتا ہے۔

پروفیسر مارشل جونس: آپ امریکہ میں چوٹی کے سائنسدان ہیں اور فلاڈلفیا میں واقع تھومس جیفرسن یونیورسٹی میں اناٹومی ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ ہیں۔ جب اُنہیں نمو کے متعلق قرآنی آیات پر تبصرے کے لئے

کہا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ یہ کسی طرح بھی اتفاق (Chance) سے بیان نہیں ہوسکتیں اور ہوسکتا ہے (حضرت) محمد (ﷺ) کے پاس بہت ہی طاقتور خوردبین ہو۔ جب انہیں بتلایا گیا کہ یہ آیات 1400 سال پہلے کی ہیں اور خوردبین اس کے کئی سو سال بعد ایجاد ہوئی تو انہوں نے کہا، ''سر دست مجھے اس تصور میں کوئی تنازعہ دکھائی نہیں دیتا کہ جب (حضرت) محمد (ﷺ) نے قرآن پاک کی یہ آیات پڑھیں تو اس وقت یقیناً کوئی آسمانی (الہامی) قوت بھی ساتھ میں کارفرما تھی'' (قرآن اور سائنس۔ڈاکٹر ذاکر نائیک)

ڈاکٹر جو سمپسن: آپ بیلر کالج آف میڈیسن، ہیوسٹن (امریکہ) میں شعبہ حمل و زچگی کے چیئرمین ہیں ان کا کہنا ہے۔ ''محمد (ﷺ) کی کہی ہوئی باتیں، کسی بھی طرح مصنف کے زمانے میں دستیاب سائنسی معلومات کی بنیاد پر پیش نہیں کی جاسکتی تھیں، اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ جینیات (Genetics) اور مذہب (اسلام) میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مذہب اس طرح سائنس کی رہنمائی کرسکتا ہے کہ روایتی سائنسی اندازِ فکر میں کچھ الہامی انکشافات بھی شامل کرتا چلا جائے۔ قرآن میں ایسے بیانات موجود ہیں جن کی توثیق کئی صدیوں بعد ہوئی جس سے اس (یقین) کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن میں دیا گیا علم واقعی خدا کی طرف سے آیا ہے'' (قرآن اور سائنس۔ڈاکٹر ذاکر نائیک)

☆ 1981ء میں دمام (سعودی عرب) میں منعقدہ، ساتویں طبی کانفرنس کے دوران ڈاکٹر کیتھ مور نے کہا ''میرے لئے نہایت خوشی کا مقام ہے کہ میں نے قرآن میں انسان کی (دوران حمل) نمو سے متعلق پیش کردہ نکات کی وضاحت کرنے میں مدد کی۔ اب مجھ پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ ساری معلومات (حضرت) محمد (ﷺ) تک خدا نے ہی پہنچائی ہیں کیونکہ کم و بیش یہ سارا علم (نزول قرآن کے) کئی صدیوں بعد ہی دریافت کیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) بلاشبہ خدا کے رسول ہی تھے''

اُمید ہے آپ کے شک کا خاتمہ ہو چکا ہوگا اور آپ کو یقین ہو چکا ہوگا کہ قرآن مجید اللہ جل جلالہ کی طرف سے نازل کردہ الہامی کتاب ہے۔

آپکے لئے ہماری اہم تحریریں

- ''کیا قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟''

[مذکورہ موضوع پر ضروری دلائل کے واضح بیان پر مشتمل اہم تحریر]

- ''امت اسلامیہ کا اتحاد (اسباب، محرکات اور حل)''

[امت اسلامیہ کے اتحاد و یکجہتی اور فرقہ واریت کی نحوست پر انتہائی اہم تحریر]

- ''عظمت و محبتِ مصطفیٰ ﷺ اور اس کے تقاضے''

[ایک مسلمان کا آنحضور ﷺ سے تعلق کیسا ہونا چاہیے؟]

- ''پیارے رسول ﷺ کا سیدھا راستہ''

[مذکورہ موضوع پر ضروری دلائل کے واضح بیان پر مشتمل اہم تحریر]

- ''صراطِ مستقیم کی حقیقت اور جنت کا راستہ ہے''

[نجاست شرک کی پہچان اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا اعتدال پر مبنی حل]

- ''کائنات سے خالق کائنات تک''

[وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل، تمام نسل انسانی کے لئے]

- ''انسان کا سب سے بڑا حجاب''

[دنیاوی زندگی کے متعلق ناقابل فراموش حقائق، تمام نسل انسانی کے لئے]

- ''رمضان المبارک ایک عظیم تحفہ''

[رمضان المبارک کیسے گزارا جائے کہ اسکی سعادتوں سے مستفید ہوا جا سکے]

﴿ آئیں پیغام حق کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں تاکہ ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائیں ﴾

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہو کر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت: 159)

ترجمہ: ''بیشک جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

(ہمارا عزم)

اصلاح و اتحاد اُمۃ

(اسلام آباد۔ پاکستان)

(Email: nijat63@gmail.com)